

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْيَوْمَ لِيُنْزِلَ سُلْطَانًا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ فَيُهْزِلَهُمْ جُلُودًا فَارِفًا

العقائد الصحيحة



ترجمہ از تصنیف

نور الدین السالکین عمدة العارفين محي السنة ماحي البدعة ثانی الألف ثانی

حضرت مولانا ورثہ خواجہ حاجی حارث محمد حسن جان صاحب

نہدی نقشبندی فاروقی قدس سرہ

قَالَ اللَّهُ تَعَالَى الْبَشَرُ أُولُوا الْإِبَاهِ الْمَوْتِيرُونَ الْفَسِيحُونَ

الصحة العقائد

ترجمہ از تصنیف

زبدۃ السالکین عمدۃ العارفین معی السنتہ ماحی البدعتہ ثانی الائعتہ ثانی
حضرت مولانا و مرشدنا خواجہ حاجی حافظ محمد حسن جان صاحب
مجددی نقشبندی فاروقی قدس اللہ سرہ

حسب حکم

عالی جناب حضرت بابرکت مولانا و مرشدنا آغا حاجی عبد الحمید جان صاحب
مجددی فاروقی نقشبندی مدظلہ العالی سجادہ نشین درگاہ
شندہ سائیندرا دضلع حیدرآباد سندھ

ابو محمد محمد مجددی

حاجی ڈاکٹر عبد القادر جتوئی

رفیق احمد جتوئی

B - 8 صدیق کورٹس

باتھ آفلمینٹ - کراچی

درود فاطمة الزهرا

رضی اللہ عنہا

یہ لا جواب درود ہے فضائل بیان کرنا ممکن نہیں۔ حضرت خاتون جنت سیدۃ نساء فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوجہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منسوب ہے۔ اس درود پاک کو پڑھنے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ ان گنت ہیں۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہونے کے لیے یہ درود ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ رُوحُهُ مُحَرَّابُ الْأَرْوَاحِ وَ
الْمَلَائِكَةِ وَالْكُفُونِ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ هُوَ
إِمَامُ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ ۝ اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مَنْ
هُوَ إِمَامُ أَهْلِ الْجَنَّةِ عِبَادِ اللَّهِ الْمُؤْمِنِينَ ۝

۱	تعارف	۱۷
۲	دیباچہ	۱۹
۳	توحید	۲۸
۴	منتخب رسالت	۳۲
۵	اُمت محمدؐ کا ۷۳ فرقہ بننا	۲۴
۶	قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان	۴۰
۷	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عظیم غیب حاصل ہونا	۴۷
۸	ایصال ثواب	۵۸
۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت و بشریت	۶۲
۱۰	غیر اللہ کی تعظیم	۶۷
۱۱	مردوں کا سُننا	۷۰
۱۲	بارگاہِ الہی میں وسیلہ لینا	۷۲
۱۳	غائب کو بلانا	۷۵
۱۴	صالحین کے مقبروں کی زیارت	۷۸
۱۵	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا	۸۵
۱۶	مزارات اولیاء پر عرس	۸۷
۱۷	سیلِ الانبیاء	۸۹
۱۸	نماز میں حضور علیہ السلام	۹۲
۱۹	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کیساتھ تعظیمی لفظ "سیدنا" پڑھنا	۹۴
۲۰	خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا	۹۵
۲۱	معاذ اللہ، خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا	۹۷
۲۲	اولیاء اللہ سے امداد طلب کرنا	۹۸
۲۳	بچوں کے نام، انبیاء و اولیاء سے منسوب کرنا	

تعارف

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷ پشتوں سے خلیفہ ثانی حضرت عمر
ابن الخطاب رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
قدس سرہ (جنکی پیدائش ۲۲ پشت میں ہوئی) سے لیکر حضرت خواجہ عبدالرحمن
مدظلہ العالی تک نیچے دیا گیا ہے۔ جس میں محترم حضرت صاحب کے بڑے صاحبزادے
کا نام نمبر وار لکھا ہوا ہے۔

نام	تاریخ وصال	مرکز شریف
قیوم رحمانی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سریندی	۱۰۲۴ھ	سریندی
قیوم ثانی حضرت خواجہ محمد معصوم (اول) عمروۃ الوثقی	۱۰۶۹ھ	"
قیوم زمان حضرت خواجہ محمد صبغة اللہ	۱۱۲۲ھ	"
قدوة العالمین حضرت خواجہ محمد اسماعیل شہید	۱۱۳۶ھ	"
غوث الاعنواک حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی	۱۱۶۱ھ	"
قدوة الاولیاء حضرت شاہ غلام محمد	۱۱۷۸ھ	پشاور
قدوة العارفين حضرت شاہ غلام حسن پشاور	۱۲۰۲ھ	"
قیوم جہاں حضرت شاہ غلام نبی قندھاری	۱۲۲۶ھ	قندھار
قطب زمان حضرت شاہ فضل اللہ	۱۲۳۸ھ	"
قدوة السالکین حضرت شاہ عبدالقیوم	۱۲۷۱ھ	"
سلطان الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمن جان	۱۳۱۵ھ	گنجان

زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جان ثانی الالف ثانی
قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جان المعروف

مزار شریف
گنجو حکمر (زبدۃ السالکین)
(سندھ)

تاریخ وصال

۲۰ رجب ۱۳۶۵ھ

۳ ربیع الاول ۱۳۹۲ھ

حضرت شاہ آغا

۲۶ شعبان ۱۳۹۷ھ

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جان

حضرت خواجہ حاجی عبدالحمید جان منظرہ العالی اس وقت مسند نشین

ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے خواجہ حاجی عبدالوحید جان مورو کے دینی مدرسہ
میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

نوٹ:- حضرت امام ربانی رحمہ اللہ ثانی کے وصال کے بعد آپ
کی اولاد امجاد پہلی سے چوتھی پشت تک سرحد شریف (ریاست پٹیالہ) میں
مقیم رہیں۔ پانچویں سے نویں پشت تک پشاور اور قندھار میں مقیم رہیں۔ اور
دسویں پشت سے سندھ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کی درگاہ ٹنڈو محمد خان کے
قریب ایک چھوٹے سے گاؤں (ٹنڈو سائیں داد) میں واقع ہے۔

سراج الاولیاء حضرت خواجہ عبدالرحمان جان کی سندھ میں آمد:

جب افغانستان میں امیر ایوب خان اور امیر عبدالرحمان کے درمیان
تخت کیلئے جنگ چھڑی اس وقت عام مسلمان امیر ایوب خان کی طرف تھے۔ اور
انگریز امیر عبدالرحمان کی طرف تھے۔ جنگ میں ایوب خان کو شکست ہوئی
اور وہ ملک چھوڑ کر فرار ہو گیا۔

امیر عبدالرحمان کے تخت پر بیٹھے بنی غازیوں پر بڑے ظلم و ستم کیے
گئے۔ اکثر بہادر سردار قتل کرا دیے گئے۔ اس لئے بہت سے بہادر بن افغانستان
سے ہجرت کر گئے۔ حضرت خواجہ عبدالرحمان بھی ان ہی غازیوں میں شامل تھے۔

جنہوں نے اپنے وطن کو خیر باد کہا۔

سندھ میں پہلے بھی آپ کے بہت سے مریدین و معتقدین تھے۔ جن کے پاس ویسے بھی آپ ہمیشہ آتے رہتے تھے۔ افغانستان چھوڑنے کے بعد آپ نے ریاست قلات کے رئیس فقیر محمد متوفی کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد حاکم لاہور میں مولوی حامد اللہ اور مولا عبدالحکیم کے پاس کچھ دن قیام کرنے کے بعد گرجی طہیں میں رئیس اعظم عطاء اللہ خان کے پاس قیام فرمایا۔ اس کے بعد مٹیاری میں تشریف لائے۔ جہاں آپ کے بہت زیادہ مرید تھے۔

ہر جگہ پر مریدوں نے اصرار کیا کہ آپ ہمارے پاس رہیں۔ لیکن آپ نے ہر ایک کو یہی جواب دیا کہ ہم یہاں رہنے کیلئے نہیں آئے ہیں۔ ہمارا وطن جانے کا ارادہ ہے۔ مٹیاری میں آپ کے مخلص مرید میران محمد شاہ اول (ٹکھڑی) نے بہت زیادہ اصرار کیا۔ کہ ٹکھڑی میں چل کر رہیں۔ حضرت صاحب نے شاہ صاحب کی گزارش قبول فرمائی اور ٹکھڑی میں تشریف فرما ہوئے۔ تقریباً ڈیڑھ سال ٹکھڑی میں قیام کرنے کے بعد عربستان تشریف لے گئے۔ وہاں پانچ سال گزارنے کے بعد ۱۳۵۵ھ میں ٹکھڑی واپس تشریف لائے۔

ٹکھڑی میں آپ کی تشریف آوری سے ٹکھڑی کا چھوٹا سا گاؤں روحانیت اور معرفت کا مرکز بن گیا۔ ہند، سندھ اور کابل قندھار کے لوگ آپ سے فیض حاصل کرنے کیلئے بڑی مسافت طے کر کے ٹکھڑی پہنچتے تھے۔ آپ کی صحبت میں ہزاروں راہ حق کے متلاشی اپنی منزل تک پہنچے اور حاصل باللہ ہو گئے آپ کا فیض اب بھی جاری و ساری ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے آخری دس سال ٹکھڑی میں گزارنے کے بعد ۱۳۵۵ھ میں اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار مبارک گنجو مکر کے دامن میں ٹکھڑی سے تین میل شمال مشرق

میں واقع ہے۔

زبدۃ السالکین حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ؟

حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ اپنے والد صاحب کے وصال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ ایک سال کا عرصہ ٹکھڑ میں گزارا۔ ۱۲۱۶ھ میں ٹکھڑ کو چھوڑ کر ٹھڑو سائیداد میں مستقل سکونت اختیار کی اور آج تک آپ کی درگاہ اس قصبے میں ہے۔ جناب حضرت قبلہ گاہم قدس سرہ کی ولادت باسعادت بتاریخ ۶ شوال ۱۲۷۸ھ کو قندھار میں ہوئی۔ آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت آپ کے والد ماجد نے کی۔ جو اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور ولی اللہ تھے۔ اس کے بعد دو سال تک مٹیار می کے مشہور مولوی لال محمد صاحب سے دینی علوم کی تعلیم حاصل کی اور پانچ سال عرب میں جاکر اس وقت کے ممتاز عالم حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی کے پاس مدرسہ ”صولتہ“ میں اپنے علم کی تکمیل کی اور مکہ مکرمہ کے مفتی شیخ احمد زینی دصان سے علم حدیث حاصل کیا اور روایت صحاح ستہ کی اجازت بھی ان سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ کو قرآن پاک حفظ کرنے کا شوق ہوا۔ تھوڑے عرصے میں بائیں پارے مکہ شریف میں حفظ کیے اور باقی اٹھ پارے ٹکھڑ میں آنے کے بعد حفظ کیے۔

آپ کی عمر مبارک ۸۷ سال تھی۔ اس مدت میں پانچ مرتبہ حج مبارک کرنے کی سعادت پائی۔ سات مسجدیں تعمیر کرائیں۔ گیارہ مدرسے قائم کیے۔ اور باوجود اپنی عظیم الفرستی کے آپ تبحر علمی اور تصنیف و تالیف دینیہ میں اس قدر دسترس رکھتے تھے کہ آپ کی مختلف تصانیف آپ کے حیات مبارک میں ہی بہت مقبول عام و خواص ہوئیں۔ اور ان کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع

ہوئے۔ آپ نے تقریباً پچیس^{۲۵} کتابیں اور اس کے علاوہ دوسرے چھوٹے نمائے تصنیف فرمائے، مثلاً:

۱۔ انیس المریدین (۱۳۱۶ھ - فارسی) اس کتاب میں آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ عبدالرحمان کی سوانح حیات لکھی ہے۔ تصوف کے اسرار اور اذکار کے مقامات اور وہ کرامتیں جو ان کے والد بزرگوار سے ظہور پذیر ہوئیں، درج ہیں۔ دو صفحات پر مشتمل یہ کتاب خواص و عام کیلئے بہت فیض بخش ہے۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۲۔ تذکرۃ الصلحاء (فارسی - ۱۳۲۶ھ) اس کتاب میں حضرت مصطفیٰ نے مختلف بزرگوں کے حالات جن سے انکی ملاقات ہوئی بیان فرماتے ہیں۔ یہ طرح طرح کے مشاہدات بزرگان کرام اور عجائبات چشم دید درج فرمائے ہیں۔ بیاسی صفحات پر مشتمل اس کتاب کا اردو ترجمہ بھی حضرت مصطفیٰ کی حیات مبارک میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے سندھی ترجمہ کا کام حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے ہو رہا ہے۔

۳۔ شرح حکم (فارسی - ۱۳۳۴ھ) اصل کتاب عربی زبان میں شیخ عطاء اللہ سکندری کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کی شرح مختصراً اور واضح طرح سے لکھی گئی ہے۔ تصوف کی یہ کتاب سالکان حق کیلئے ایک عجیب تحفہ ہے جبکہ اس کتاب کی پہلے بھی کئی شرطیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن شاید اتنا آسانی اور واضح کبھی نہ لکھی گئی ہو۔ دو سو آٹھ صفحات پر مشتمل اس کتاب کا سندھی اور اردو ترجمہ حضرت خواجہ محمد حسن جان اکیڈمی کی طرف سے زیر طبع ہے۔

۴۔ الاصول الاربعہ (فارسی - ۱۳۴۶ھ) اس کتاب میں چار بنیادی

اصولوں کا بیان حنفیہ عقیدے کے مطابق کیا گیا ہے۔ (i) غیر اللہ کی تعظیم (ii) وسیلہ لینا (iii) تلامذہ غائب (iv) چاروں عقیدوں میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا۔ ایک سو ستائیس صفحوں پر مشتمل یہ کتاب آپ کے حیات مبارک میں ہی ہند، سندھ، افغانستان کے علاوہ عرب اور عجم کے دوسرے ممالک میں بھی بہت مقبول ہوئی۔ اس کا ایک ایڈیشن ۱۹۷۸ء میں ترکی سے بھی شائع ہوا۔ اس کا سندھی ترجمہ زیر طبع ہے۔

۵۔ طریق النجات (فارسی ۱۳۳۹ھ) یہ کتاب حضرت امام غزالیؒ کی کتاب ”کیمیاء سعادت“ کی طرح لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب ایک کسول ہے۔ جس کے مطالعہ سے کھرے اور کھوٹے طریقے کی پرکھ ہو جاتی ہے۔ ایک مشغل ہے جس کی روشنی میں ہدایت و ذلالت میں فرق کرنے کی سمجھ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور عقائد کے سلسلہ میں محبت آل و اصحاب، ضرورت تقلید، تعریف بدعت سمجھائی گئی ہے اس کے علاوہ اعمال بدعتیہ کے تحت نماز روزے وغیرہ کا بیان اعمال روحانیہ کے تحت مذمت کینہ، حسد و بغل اور حرص وغیرہ کا اور محبت الہی اور سبحانہ و تعالیٰ کے تحت رضا، اخلاص، صدق وغیرہ اور مسئلہ تقلید کا بیان اس خوبی سے کیا گیا ہے کہ کسی دوسری کتاب میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ یہ کتاب دو سو چھیاسٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور حضرت مصطفیٰؐ کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد یاشم خان صاحب کا اتر دو ترجمہ (اصل عبارت کے سامنے) خود حضرت مصطفیٰؐ کے حیات مبارک میں شائع ہوا۔ اور بہت مقبول ہوا۔ اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن ترکی سے شائع ہوا ہے۔ اور اردو ایڈیشن ۱۹۷۹ء میں سیالکوٹ سے بھی شائع ہوا ہے۔

۶۔ العقائد الصغیرہ (عربی ۱۳۶۰ھ) اہل سنت والجماعت کے صحیح عقیدوں پر لکھی ہوئی یہ کتاب (جو آپ کے ہاتھوں میں ہے) بھی حضرت قبلہ کی حیات

مبارک میں ہی عرب اور عجم میں بہت مقبول ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی انہی دنوں میں شائع ہو چکا تھا۔ اس کتاب کے ۱۰۴ صفحات پر مشتمل سندھی ترجمہ کے دو ایڈیشن ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۴ء میں حضرت خواجہ محمد حسن جان اکبر آبادی کی طرف سے چھپ چکے ہیں۔

- ۷۔ شفاء الامراض (فارسی) ۱۳۱۲ھ ۸۔ عہود و مواعظ (عربی)
 - ۹۔ پنج گنج (فارسی) ۱۳۲۱ھ ۱۰۔ سفرنامہ عربستان (فارسی) ۱۳۳۲ھ
 - ۱۱۔ عجائب المقدرات (فارسی) ۱۳۳۶ھ ۱۲۔ اشارة الى البشارة - (عربی)
 - ۱۳۔ انساب الانبياء (فارسی) ۱۳۴۲ھ ۱۴۔ لغات القرآن (عربی)
 - دو دیگر رسائل ہمارے سال (i) ترجمہ محمد بن - (عربی) ۱۳۵۶ھ (ii) در سلوک و کیفیت نقشبندیہ (فارسی) (iii) وحدۃ الوجود و وحدۃ الشہود (فارسی)
 - (iv) رسالہ التنبیہ فی اثبات التقدير (عربی) اردو - ۱۳۶۹ھ
 - (v) رسالہ فی باب صحۃ الجمعۃ (عربی) (vi) رسالہ در قواعد تجوید (۱۳۶۹ھ)
 - (vii) رسالہ تہلیلۃ - (فارسی) ۱۳۵۴ھ وغیرہ
- حضرت خواجہ محمد حسن جان کو لوگ مختلف القاب سے یاد کرتے تھے آپ کو حضرت وقت، قطب الاقطاب اور ثانی المجدد الف ثانی بھی کہتے تھے خواجہ صاحب اکمال یہ تھا، کہ آپ کے عقیدتمندوں کے حلقے میں زیادہ تر عالم و فاضل لوگ تھے۔ اور ساتھ ہی انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھی بڑی تعداد میں تھے۔ حالانکہ یہ دونوں طبقے پیروں فقیروں کے معتقد نہیں ہوتے۔ بلکہ مخالف ہوتے ہیں۔

حضرت صاحب مریدوں اور عقیدتمندوں کو نماز قائم کرنے اور فجر کی نماز سے یکسر طلوع آفتاب تک مراقبے میں بیٹھ کر ذکر الہی کرنے کی تلقین

فرماتے تھے۔ آپ کے اکثر مرتبہ گنہگار و شب سبیدار تھے۔ اور اکثر صاحب ولایت بھی تھے۔

حضرت صاحب اکثر پُر جلال نظر آتے تھے۔ آپ کی محفل میں ہر ایک دم بخود ہوتا تھا۔ کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ جس قدر خلوت میں جلالی نظر آتے تھے اسی قدر خلوت میں جمالی معلوم ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص و عاکیلے گزاریں کرتا، اور آپ خاموش رہتے تو اس کے دل کی مراد قبولیت کے درجہ تک پہنچ جاتی تھی۔ آپ کا کشف بھی حدِ کمال کا تھا۔ کہ عرض کرنے سے پہلے ہی جواب مل جاتا تھا۔

جیسا کہ حضرت امام ربانیؒ نے فرمایا ہے کہ آپ کی اولاد میں قطبیت قیامت تک قائم رہے گی۔ حضرت صاحب ممدوح آپ کی پشت میں وقت کے قطب بلکہ قطب الاقطاب تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کی آل اولاد بھی قطبیت سے سرفراز ہوئی۔

جبکہ اس دارِ خانی سے دارِ بقا کی طرف ہر ایک کو جانا ہے۔ حضرت صاحبؒ نے بھی تقریباً چالیس دن کی بیماری کے بعد یرونہ پیر ۲ ربیع ۱۳۶۵ھ، ۶ جون ۱۹۴۶ء ستاسی سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

قطب الاقطاب حضرت خواجہ عبداللہ جان المعروف شاہ آغا

اپنے والد صاحب کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸ ماہ جمادی الاول ۱۲۰۵ھ میں ٹکڑ شریف میں ہوئی۔ دس سال کی عمر تک اپنے دادا حضرت خواجہ عبدالرحمانؒ کی گود میں

تربیت و تعلیم حاصل کی۔ فارسی کتاب پوری کرنے کے بعد عربی کا پہلا سبق ،
 ”صرف یہائی“ آپ سے لیکر اس کے بعد باقاعدہ دینی علوم کی کتابیں ،
 مولوی عبد القیوم بختیار پوری ، مولوی نعل محمد مٹیاروی اور مخدوم حسن اللہ
 پٹائی کے پاس پڑھی اور باقی تعلیم مولوی خیر محمد منگسی کے پاس پوری کی۔

آپ کی عمر مبارک ۸۳ سال تھی۔ اس عرصہ میں چار حج کیے۔ چند
 مسجدیں تعمیر کروائیں۔ کافی مدرسے قائم کیے۔ اور تقریباً پندرہ کتابیں اور
 چھوٹے رسالے تصنیف کیے۔ مثلاً انتخاب مکتوبات شریف (فارسی) جس
 میں ہر ایک مکتوب کا اختصار باب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ مثلاً پہلا
 باب عقائد اہلسنت والجماعت دوسرا باب مسائل فقہ اور تیسرا باب عقائد
 ومعارف۔

۲۔ اربعین مکتوبات (فارسی) جس میں چالیس آسان مکتوب منتخب
 کر کے شاگردوں کو پڑھانے اور یاد کرانے کیلئے لکھی ہیں۔

۳۔ مؤنس المخلصین۔ (فارسی) جس میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ
 محمد حسن جان کی سوانح حیات لکھی ہے۔

۴۔ حفظ حدیث۔ (فارسی) یہ کتاب حدیث کے منکروں کے رد میں لکھی ہے۔

۵۔ ہدایت الحج۔ (سندھی) یہ کتاب حج کے مسائل کیلئے بے نظیر ہے۔

۶۔ راحت القلوب۔ (سندھی) جس میں روحانی و جسمانی بیماریوں کا علاج
 لکھا ہے۔

۷۔ راحت المخلصین (سندھی) اس کتاب میں اپنے بچپن کے دور کا احوال،
 تعلیم و تربیت علم و ذوق شوق اور وعظ و نصیحت لکھی ہیں۔

۸۔ الارشاد شرح بابت سعاد۔ (سندھی) اس کتاب میں ایک عربی

قصیدے کی شرح اور حل ترکیب لکھی ہے۔

۹۔ احسن الوسائل۔ فی تحقیق المسائل۔ (سندھی) اس کتاب میں مختلف مسئلوں اور سوالوں کے جواب لکھے ہیں۔

۱۰۔ مخزن العلوم۔ (سندھی) حصہ علم وادب کا۔ حصہ علم قرأت حصہ علم فقہ کا۔ حصہ علم حدیث کا۔ حصہ علم تعویذات کا۔ اور حصہ علم طب کا۔
۱۱۔ شرح قافیہ (عربی) اس کتاب میں قافیہ کی شرح لکھی ہے۔

۱۲۔ طب میں تفریق الامراض اور تفریق الامراض سو وکتا ہیں لکھی ہیں
(۱) پہلی کتاب عربی زبان میں ہے۔ اور دوسری کتاب فارسی زبان میں ہے
۱۳۔ برگ سبز۔ (فارسی) اس کتاب میں درخت نیم کے فائدے بیان

کئے ہیں۔

نوٹ: حضرت صاحب اپنے ذاتی خرچ سے کتابیں چھپوا کر مفت تقسیم کرتے تھے۔ جس قدر آپ کی تحریر میں اثر تھا اس سے زیادہ آپ کی نگاہ میں اثر تھا۔ جن پر آپ نے نگاہ ڈالی۔ اُس کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہدایت نصیب ہوئی۔ مطلب یہ کہ آپ نے اپنی ساری زندگی مریدین اور معتقدین کی باطنی اور ظاہری تعلیم و تربیت میں گزاری۔ اپریل ۱۹۷۳ء میں چمبر کے راتے میں آپ کی جیپ کی ٹکراہٹ بس سے ہوئی جس میں آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اور آپ کو زخمی حالت میں جامشورو ہسپتال میں داخل کیا گیا۔ آپ کے ہزاروں مرید معتقد ہسپتال میں پہنچے۔ اور رئیس غلام مصطفیٰ خان اور رئیس غلام مجتبیٰ خان جتوئی بھی آپ کی مزاج پرسی کیلئے ہسپتال میں پہنچے۔ لیکن آپ نے کسی سے بھی اپنی تکلیف کا کوئی اظہار نہیں کیا۔ اور اُس وقت بھی کوئی نماز ترک نہ کی۔ خلیفہ سائیداد اور ماسٹر نور محمد چٹان اور ان

کے فرزند محمد قاسم اور مبارک علی رات دن آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔
 بن کا آپ نے پہلے ہی اس خدمت کیلئے انتخاب کر لیا تھا۔ آپ ایک ہفتے تک
 ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ آخری رات عشاء کی نماز کے بعد قرآن شریف
 پڑھنا شروع کر دیا۔ تہجد کے وقت قرآن پاک ختم کر کے انگلیوں بند کر لیں۔
 جس کو نیند بھگا گیا۔ حالانکہ وہی آپ کا وصال تھا۔ آپ نے ۲ ربیع الاول
 ۱۳۹۳ھ بمطابق ۷ اپریل ۱۹۷۳ء کے دن دارالبقاع کی جانب سفر
 اختیار کیا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ *

امام العارفین حضرت خواجہ غلام علی جانؒ

حضرت خواجہ غلام علی جانؒ اپنے والد حضرت خواجہ عبداللہ جانؒ
 المعروف شاہ آغا قدس سرہ العزیز کے انتقال کے بعد مسند نشین ہوئے
 آپ کی ظاہری و باطنی تعلیم و تربیت اپنے دادا حضرت خواجہ محمد حسن جانؒ
 سے ہوئی۔ اور باقی تعلیم ٹھٹھہ کے دینی مدرسہ میں حاصل کی۔ حضرت صاحب
 نے اپنی ساری زندگی عبادت، ریاضت اور فقر و فاقہ میں گزاری۔ آپ کی
 بیٹھک ایک چھوٹی سی کچی کوٹھڑی میں تھی۔ جس میں ایک چار پائی، ایک پٹائی
 دو تین پیالے اور ایک کیٹلی نظر آتی تھی۔ حضرت صاحب اکثر مستغرق
 مراقب رہتے تھے۔ اور اسی کیفیت میں حاضرین میں سے کسی پر ایک نگاہ
 ڈالنے سے اس کو باطنی فیض سے اتنا نوازتے تھے کہ وہ بے قابو ہو جاتا تھا
 اور فحیہً واصل باللہ ہو جاتا تھا۔ آپ یتیموں، مسکینوں، غریبوں اور
 چھوٹے بچوں سے پیار کرتے تھے۔ ایسے آپ کو لوگ ”غریب نواز“ کہتے

تھے۔ میاں محمد منیر ابڑو، ولی محمد سومرو، ایوب فقیر سومرو اور دلویان
پٹھان آپ کے خاص خادم تھے۔ آپ سفر میں محمد منیر کو ساتھ رکھتے تھے۔ ماہ
رجب ۱۲۹۷ھ میں آپ حاجی کریم بخش جتوئی محمد منیر اور املم بخش خان
جتوئی کے ہمراہ عمرہ کیلئے تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی عجیب و غریب
کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ (جسکے اظہار کی اجازت نہیں ہے) آپ ایک مہینہ
کے بعد واپس آئے۔ اور چند دنوں کے بعد تاریخ ۲۵ شعبان کو رحلت فرمائی۔
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

حضرت خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ

حضرت الحاج خواجہ عبدالحمید جان مدظلہ کی ظاہری و باطنی
ترتیب اپنے دادا حضرت آغا عبداللہ جان کے پاس ہوئی۔ آپ کستی سے
ہی سفر و حجر میں اپنے دادا کے ساتھ رہتے تھے۔ آپ اپنے والد بزرگوار کے
وصال کے بعد ۱۳۹۷ھ میں مسند نشین ہوئے۔ آپ کو ۱۳۹۸ھ میں حج
کی سعادت نصیب ہوئی۔ اور مسند نشینی کے دوسرے سال آپ کو حضور علیہ
صلوٰۃ والسلام کے روحۃ اقدس پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ آپ
تقریباً دو ماہ تک مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران حضور علیہ السلام
کی ظاہری و باطنی عنایات و توجہ خاصہ سے سرفراز ہوئے۔ اسی سال پھر
آپ کو دوسری مرتبہ حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ سند و سائیندا و ضلع
حیدر آباد میں سلسلہ مجددیہ کے چراغ کو حسب دستور روشن کیے ہوئے ہیں۔

ابو محمد محمد مددی

(غلام اکبر جتوئی)

پیر ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ
مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۸۴ء

۲۔ دیباچہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَالسَّلَامُ عَلَى نَبِيِّهِ وَرَسُولِهِ الْمُصْطَفٰى
وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ الْبَرَّةِ أَهْلِ الثَّقَلَيْنِ -

حمد و صلوة کے بعد عبد ضعیف محمد حسن فاروقی حنفی گزارش کرتا ہے۔
کہ عہد حاضر میں دہلیہ اور حنفیہ کے درمیان کمال اختلاف پڑا ہوا ہے۔
عام عقائد میں حتیٰ کہ الہیات میں اور مفہوم رسالت میں اور ان مسائل
شرعیہ میں بھی اختلاف ہے۔ جو عقائد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ اختلاف اب
ایک دوسرے کی تکفیر تک پہنچ چکا ہے۔ جسکی وجہ سے امت محمدیہ میں ناگفتہ بہ
تشتت و افتراق پڑ گیا ہے۔ اس لیے میں نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ اس
مختصر سی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے عقائد مختصر طور پر بیان
کروں اور حتیٰ الوسع مخالفین کے اقوال نقل کرنے سے کنارہ کش رہوں۔ مگر
بقدر ضرورت نقل بھی کروں گا۔ اور خدا سے امید کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں
کو بخیر و برائی اور اغلاط سے محفوظ رکھے کہ اس کتاب کی طفیل سے ان کو فائدہ
بخشتے گا۔ آئندہ خدا مالک ہے جو چاہے کرے، اسی کی بارگاہِ عالی میں میری
درخواست منظور ہو سکتی ہے۔ واضح رہے کہ میں اس رسالہ میں عموماً مذاہب
شریف سے دلیل پیش کروں گا، نہ اقوالِ آئمہ سے اور نہ اقوالِ علمائے اسلام
سے، مگر بقدر ضرورت پیش کرتا جاؤں گا۔ تاکہ ان کی قابلِ قدر قیاسات
شرعیہ مخالفین کی بدزبانیوں سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ ان کی عادت ہے
کہ کوئی حدیث جب ان کے خیال کے مطابق نہ ہو تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ
ضعیف ہے۔ یا موضوع ہے۔ اگرچہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو استدلال

کے موقع پر پیش کیا ہو۔ چنانچہ جناب امام غزالیؒ، امام سیوطیؒ، شیخ عبدالحقؒ
 محدث دہلویؒ اور محدث ملا علی قاریؒ وغیرہم ایسے استدلال پیش کر
 چکے ہیں۔ اور مخالفین حسب عادات ائمہ دین اور اکابر اسلام کے ایسے
 استدلال جب دیکھتے ہیں تو ان کے حق میں گستاخی کرنا شروع کر دیتے ہیں
 خدا ہی ان کو سنبھالے، ایسے میں عموماً اس موقع پر قرآنی آیات ہی پیش
 کروں گا جس کی مخالفت اصرار دہرے نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ خدائے
 حکیم و حمید کا کلام ہے۔ علاوہ ازیں موضع اختلاف میں انصاف سے فیصلہ
 کروں گا۔ اور قول باطل پر قدم نہ جماؤں گا۔ اس کے بعد اس رسالہ کا نام
 میں نے **العقائد الصحیحۃ** رکھا ہے۔ آپ سب سے پہلے میں وہ مضمون
 لفظ بہ لفظ پیش کرتا ہوں۔ جو حضرت امام حجتہ الاسلام محمد الغزالی رحمۃ اللہ
 نے توحید اور الہیات اور منصب رسالت کے متعلق اپنی کتاب **قوائد العقائد**
 میں بیان کیا ہے۔ کیونکہ وہ مضمون اس مقام کیلئے بہت ہی موزون ہے۔ آپ
 لکھتے ہیں کہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمُبْدِي الْمَعْبُودِ الْفَعَّالِ لِمَا يُرِيدُ ذِي الْعَرْشِ
 الْمَجِيدِ وَالْبَهْشِ الشَّدِيدِ الْهَارِي مَفُوءَ الْعَبِيدِ إِلَى الْمُنْجِي الرَّ
 شِيدِ۔ وَالْمَسْلَكِ السَّدِيدِ۔ الْمُتَعَزِّ عَلَيْهِمْ بَعْدَ شَهَادَةِ
 التَّوْحِيدِ بِمَحْرَاسَةِ عَقَائِدِهِمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الشُّكِّ وَالنَّوْصِيَّةِ۔**

۳۔ توحید

خدا تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندوں کو جناب رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کے لئے انتخاب کر لیا ہوا ہے اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے نقش قدم پر چلنے کے لئے چھو لیا ہے۔ اپنی تائید اور توفیق سے خدا تعالیٰ اپنی ذات اور اپنے افعال میں اپنے اوصافِ حسنہ کے ذریعہ سے ان پر جلوہ گر ہے۔ مگر ان صفات کو وہی دریافت کر سکتا ہے۔ جو غور سے سُنے اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھے۔ اس نے یہ بھی ان کو بتا دیا ہے۔ کہ وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے۔ ایسا قدیم ہے۔ جس کی ابتدا نہیں ہو سکتی۔ جسکی آخری حد نہیں۔ ازل وابد میں موجود ہے جسکی انتہا نہیں، مستقل بالذات ہے۔ کسی قسم کی کسر اس کی ذات میں باقی نہیں، دائم و قائم ہے۔ جس کا خاتمہ نہیں، صفاتِ حملائیہ کے ساتھ ازل و ابدی موجود ہے۔ اس کے متعلق یہ کسی فیصلہ نہیں دریا جا سکتا کہ اسکی دائمی زندگی کے اوقات ختم ہو چکے ہیں یا اسکی مدتِ حیات گزر چکی ہے۔ وہی اول ہے وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے، وہی باطن ہے اور وہی ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا بھی ہے۔

خدا تعالیٰ کا تقدس

خدا کسی جسم اور صورت میں نہیں، نہ محدود چیز ہے جس کا تخمینہ لگایا جائے۔ کسی جسم کی مثل بھی نہیں کہ اس میں قیاس لگایا جائے۔ یا اسکی تقسیم ہو ہو سکے۔ نہ وہ ٹھوس مخلوق ہے نہ غیر مستقل چیز ہے۔ جو دوسرے کے اُس سے

سے پائی جائے۔ نہ وہ صفائی چیز ہے۔ نہ صفائی ناپائیدار چیزوں کا مرکز ہے وہ کسی ہستی کی مشعل نہیں، نہ کوئی ہستی اسکی مشعل ہے۔ بلکہ اسکی مثال کی بھی مثال نہیں۔ اور نہ ہی اسکی مثال

کسی چیز کی مثل ہے کوئی مقدار اس کو محدود نہیں کرتی، نہ اطراف اسکو اپنے اندر سمیٹ سکتے ہیں۔ کوئی جیت اسے اپنے احاطہ میں نہیں لاسکتی۔ زمین و آسمان بھی اسے نہیں سنبھال سکتے۔ وہ اپنے عرش پر قائم ہے۔ مگر اسی طرح جو اس نے خود کہا ہے۔ اور اسی کیفیت سے جو اس کے اپنے ارادہ میں ہے اس کا وہ قیام اتصال اور چھونے سے بالاتر ہے۔ اور اندراج اور جذب سے الگ ہے، اسمیں انتقال بھی نہیں، عرش اسے اٹھائے ہوئے بھی نہیں بلکہ وہ خود اپنے عرش کو اور اس کے اٹھانے والے فرشتوں کو اپنے دست قدرت سے اٹھاتے ہوئے ہے۔ اور اس کے قبضہ میں مغلوب ہیں۔ وہ عرش پر ہے اور آسمان پر بھی۔ بلکہ تحت الثرائے تک ہر چیز پر فائق ہے۔ یہ فوقیت نہ اسے آسمان اور عرش کے قریب کرتی ہے۔ اور نہ زمین اور تحت الثرائے سے دور

لے جاتی ہے۔ وہ عرش و آسمان سے بالاتر مرتبہ رکھتا ہے۔ تاہم وہ ہر چیز تحت الثرائے سے بالاتر ہے۔ تاہم وہ ہر چیز کے قریب ہے۔ اور شہ رگ سے زیادہ اپنے بندہ کے قریب ہے۔ اور ہر چیز کا نگرانِ حال بھی ہے۔ کیونکہ وہ اس طرح قریب نہیں جس طرح کہ جسم قریب ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح اس کی حقیقت کسی جہاں حقیقت سے نہیں ملتی۔ نہ وہ کسی میں حل اور تبدیل ہوتا ہے اور نہ کوئی چیز اس میں حل اور تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ اس امر سے بھی بالاتر ہے کہ کوئی مکان اسے اپنے اندر سمیٹ لے جس طرح کہ اس امر سے بھی بالاتر ہے۔ کہ کوئی زمانہ اسے محدود کرے بلکہ وہ خود زمانہ اور مکان پیدا کرنے سے پہلے موجود

تھا اور اب بھی اسی طرح موجود ہے۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ وہ اپنے صفات میں اپنی مخلوق سے نرالا ہے۔ اس کی ذات میں اس کا غیر موجود نہیں نہ غیر میں وہ موجود ہے۔ وہ تغیر و تبدل سے پاک ہے۔ نہ حوادث اسمیں جاگزیں ہیں۔ اور نہ صفائی ناپائیدار حالات اسمیں موجود ہیں۔ بلکہ وہ اپنے جلال میں موجود ہے۔ اور زوال سے پاک ہے۔ وہ اپنے صفاتِ کاملہ میں موجود ہے۔ کسی اور تکمیل کی اسے ضرورت نہیں صرف عقل سے اس کا وجود معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کی ذات بھی آنکھ سے دیکھی جاسکتی ہے۔ جب کہ دوسری دنیا میں اپنے نیک بندوں پر فتنل و کرم کی نگاہ کرے گا۔ اور اپنے مبارک چہرہ کے دیدار سے ان کی تکمیلِ نعمت کرے گا۔

خدا تعالیٰ کی ابدی زندگی اور قوت

وہ زندہ، طاقتور، صاحبِ قدرت، ہر چیز پر غالب، ہر شے کا دل کا سہارا ہے۔ اس میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں، اور نہ عاجزی، نہ اسے نیش آتی ہے، نہ اونگھ، اور نہ اسے فنا اور موت سے پالا پڑا ہے۔ وہ حکومت اور بندوبست کا مالک ہے۔ عزت اور غلبہ کا بھی مالک ہے۔ مخلوق پر تسلط اور غلبہ اُسی کا ہے۔ وہی نسل سے پیدا کرتا ہے۔ اور وہی کئی کئی گنے سے پیدا کرتا ہے۔ تمام آسمان اس کے دستِ قدرت کے دائرے ہاتھ میں پیٹے ہوئے ہیں۔ تمام مخلوقات اس کے قبضہ میں مغلوب ہے۔ صرف وہی مادہ اور مادہ کے

کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ اپنی ایجاد و اختراع میں بیکٹا ہے۔ اس نے ہی اپنی مخلوقات کو اور اس کے اعمال کو پیدا کیا ہے۔ اسی نے اسکی روزی اور موت کا صحیح اندازہ لگایا ہے۔ کوئی مخلوق اسکی قدرت سے خارج نہیں ساری کائنات کے تصرفات بھی اسکی قدرت سے باہر نہیں، اس کی قدرتوں کا اندازہ نہیں لگایا جاتا، اور نہ ہی اس کے معلومات کی کوئی انتہا ہے۔

خدا تعالیٰ کا علم

وہ تمام اشیاء کا عالم ہے، اس کا علم تمام ان چیزوں پر حاوی ہے جو زمین کے کناروں سے لے کر اوپر کے آسمانوں تک جاری ہیں۔ ایسا عالم ہے کہ اس کے علم سے ذرہ بھر بھی زمین و آسمان کی کوئی چیز باہر نہیں، بلکہ ٹھوس پتھر پر جب چیونٹی سخت اندھیری رات میں دبے پاؤں چلتی ہے۔ تو اس کی رفتار سے بھی آگاہ ہے۔ اور جو ڈرت ہو ا میں اڑتے ہیں۔ اُن کی حرکت کو بھی جانتا ہے، وہ راز اور راز سے پوشیدہ تر بات کو بھی جانتا ہے۔ دل کے خیالات اور خیالات کی حرکات بھی جانتا ہے اور پوشیدہ سے پوشیدہ بھید کو بھی جانتا ہے۔ مگر اس کا یہ علم ازلی ہے۔ جو ہمیشہ سے ہمیشہ میں اسکی صفت ہے۔ وہ کسی نو پیدا علم سے نہیں جانتا جو کبھی اس کی ذات میں آئے اور کبھی نکل جائے۔

خدا تعالیٰ کا ارادہ

وہ مخلوقات میں اپنا ارادہ برتتا ہے۔ تمام نو پیدا مخلوق میں انتظام کرتا ہے، جو بھی اسکی بادشاہت میں کم و بیش، خورد و کلاں، دکھ سکھ

نفع و ضرر، ایمان و کفر، خدا شناسی یا انکار، کامیابی یا ناکامی، زیادتی یا نقصان، فرمانبرداری یا بے فرمانی ہوتی ہے۔ اسی کی قضا و قدر اور حکمت و مشیت سے ہوتی ہے۔ جسے چاہے وہ موجود ہو جائے۔ اور جسے نہ چاہے وہ موجود نہیں ہوتا۔ اس کی مرضی سے آنکھ کی ایک نگاہ بھی باہر نہیں اور دل کا کوئی خیال بھی باہر نہیں۔ بلکہ وہی نوپید کرنے والا اور دوبارہ پیدا کرنے والا ہے۔ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، وہی کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو روکنے والا نہیں نہ ہی اس کے فیصلہ پر کوئی نکتہ چین ہے۔ انسان کو کسی برائی سے رکنے میں اس کی توفیق اور رحمت کے بغیر چارہ نہیں اور فرمانبرداری میں اس کے ارادہ اور مشیت کے سوا مجال نہیں اگر تمام انسان، جن، فرشتے اور شیطان بھی جمع ہو کر سلسلہ کائنات میں ایک ذرہ کو بھی حرکت دیں یا اس کے ارادہ کے بغیر اسے ساکن کرنا چاہیں، تو اس سے عاجز ہو جائیں گے۔ خدا کا ارادہ اس کی اپنی ذات میں باقی صفات کی طرح قائم ہے۔ وہ بدستور اس سے موصوف رہا ہے۔ زمانہ ازل میں اس نے ارادہ کیا کہ **سلسلہ مخلوقات** اپنے اپنے وقت پر پیدا ہو، جو اس نے تجویز کیا تھا۔ چنانچہ جس طرح اس نے زمانہ ازل میں کسی تقدم و تاخر کے بغیر چاہا تھا۔ اسی طرح کائنات معرض ظہور میں آگئی۔ بلکہ اس کے علم کے اور اس کے ارادہ کے مطابق بغیر کسی تغیر و تبدل کے موجود ہو گئی نہ اسے کسی تجویز کے سوچنے کی ضرورت پڑی، نہ اسے کسی وصیت کا انتظار تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسے ایک مصروفیت دوسری مصروفیتوں سے غافل نہیں کرتی۔

خدا تعالیٰ کی قوت شنوائی اور بینائی

وہ خدا سُنتا ہے اور دیکھتا ہے۔ اس کی شنوائی سے کوئی بات باہر

نہیں۔ اگرچہ وہ کتنی ہی مخفی ہو اور اسکی بینائی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اگرچہ کتنی ہی باریک ہو۔ اس کی قوت سماعت کو کوئی دوری مانع نہیں۔ اور اس کی قوت بینائی کو کوئی تاریکی نہیں روکتی۔ وہ بغیر آنکھ اور پلک کے دیکھتا ہے۔ اور سو رانخ گوش اور کان کے بغیر سنتا ہے۔ اسی طرح دل کے بغیر جانتا ہے۔ اور ہاتھ کے بغیر حملہ کرتا ہے۔ اور اوزار کے بغیر پیدا کر لیتا ہے۔ کیونکہ اس کے صفات مخلوق کی صفات جیسے نہیں اور نہ ہی اسکی ذات مخلوق کی ذات کی مثل ہے۔

خدا تعالیٰ کا کلام

وہ کلام کرتا ہے، حکم کرتا ہے، روکتا ہے، خوشخبری دیتا ہے۔ عذاب کی خبر دیتا ہے۔ مگر اس کا کلام ازلی ابدی قدیم ہے۔ جو اسکی ذات میں قائم ہے۔ اور مخلوق کے کلام کی طرح نہیں کہ ہوا کی مداخلت اور حرکت سے پیدا ہو یا دو چیزوں کے ٹکرانے سے پیدا ہو۔ حروف سے مرکب نہیں کہ ہونٹ کی بندش سے ختم ہو جاتے۔ اور زبان کے چلنے سے جاری ہو۔ قرآن، توراہ، انجیل اور زبور اسی کی کتابیں ہیں۔ جو اسکے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئیں۔ چنانچہ قرآن اگرچہ زبان سے پڑھا جاتا ہے، یا اوراق میں لکھا جاتا ہے۔ اور دلوں میں محفوظ ہے۔ تاہم وہ قدیم ہے۔ خدا کی ذات میں قائم ہے۔ اوراق میں یا دلوں میں منتقل ہونے کے باوجود بھی وہ خدا کی ذات سے الگ اور منتقل نہیں۔ کیوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو کلام الہی سنا تھا، اسمیں آواز نہ تھی۔ اور نہ حروف تھے۔ اسی طرح نیک انسان عالم آخرت میں خدا کا دیدار پائے گا۔ مگر وہ نہ ٹھوس ہوگا نہ عارضی چیز۔ جب خدا ایسا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ اپنے ان صفات میں حتی، عالم، قادر، مرید، سمیع، بصیر اور متکلم ہے۔

اور اس میں یہ سات صفات موجود ہیں۔ حیوۃ، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔ اور اس کی ذات اپنی صفات سے خالی نہیں۔ (امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام یہاں پر ختم ہو جاتا ہے) اب مولف کہتا ہے۔ (خدا انکے گناہ معاف کرے) کہ امام صاحب نے جو خدا کے سات اوصاف بیان کئے ہیں وہ مندرجہ اشعری کے مطابق ہیں۔ ورنہ مذہب ماتریدیہ میں ایک آٹھواں اور بھی خدا کا وصف ہے۔ جسے تکوین کہتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں صرف ارادہ ہی کافی نہیں، بلکہ تکوین کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود فرما دیا، کہ جب میں کسی چیز کا ارادہ کرتا ہوں، تو اسے کُن کہتا ہوں تو پھر وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ارادہ اور چیز ہے اور تکوین جو لفظ کُن سے اشارت کی جاتی ہے، اور چیز ہے۔ اس کے علاوہ صرف ارادہ کرتے والا فاعل نہیں کہلاتا۔ سوائے اس کے کہ اس کو ہست سے نیست کر دے۔ پس لفظ کُن سے خدا جی تعالیٰ کا اثر ہے۔ اسکو جس کا وہ ارادہ کرتا ہے، کہ نیست سے ہست کر دے۔ اس مسئلہ کی تفصیل کا مقام علم کلام کی کتاب میں۔ مثلاً شرح عقائد، شرح مواقف وغیرہ۔ اب ہم دوبارہ امام غزالی رحمہ اللہ کا کلام درج کرتے ہیں۔

افعال خداوندی

جو بھی اللہ کے بغیر ہے، وہ اسی کے فعل سے پیدا ہوا ہے۔ اور بہترین عدل کے طریق پر اور مکمل و اکمل طرز پر صورت نما ہوا ہے۔ خدا اپنے افعال میں حکمت استعمال کرتا ہے۔ اپنے فیصلہ میں عدل کرتا ہے۔ مگر اس کا عدل انسانی عدل کے مشابہ نہیں۔ کیونکہ انسان سے تو ظلم کا بھی امکان ہے۔

جہاں وہ غیر کی ملکیت پر متصرف ہو اور خدا سے ظلم کا امکان بھی نہیں۔ کیونکہ جب کہ یہاں غیر کی ملکیت ہی نہیں، تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ وہ غیر کی ملکیت پر تصرف کرتا ہے۔ تاکہ اس کا اصل ظلم قرار پائے۔ کیونکہ اس نے یہ تمام چیزیں خود پیدا کی ہیں۔ انسان، جن، شیطان، فرشتے، آسمان، زمین، حیوان، نباتات، جوہر، عرض، مدرک، باکس اور مدرک بالعقل وغیرہ، چنانچہ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور ان کو وجود عطا کیا ہے۔ بعد اس کے کہ وہ نیست تھیں۔ اور وہ خدا خود زمانہ ازل میں موجود تھا۔ اور اس کے ساتھ کوئی غیر موجود نہ تھا۔ پھر اس نے اپنی اظہار قدرت کے لئے کائنات کو پیدا کیا۔ اور اس سے اپنے ارادہ کا ثبوت دیا۔ جو اس نے پہلے کیا ہوا تھا۔ اور اس قول کو پورا کرتے کیلئے جو ازل میں کہہ چکا تھا۔ ورنہ اسکو کائنات کی کوئی حاجت اور ضرورت نہ تھی۔ یہ اسکی مہربانی ہے کہ اسے پیدا کیا۔ نیست بہت کیا اور صاحب اختیار بنایا۔ ورنہ یہ سب کچھ اس پر واجب نہ تھا۔ اور وہ ہم پر فضل کرنے والا ہے۔ کہ اس نے ہم پر احسان کیا۔ اور ہماری اصلاح کی۔ حالانکہ ہم بھی اس کا فرض نہ تھا۔ پس یہ سب کچھ اس کا فضل ہے۔ احسان اور نعمت اور انعام ہے۔ کیونکہ وہ ہر وقت قادر ہے کہ اپنے بندوں پر قسم قسم کے عذاب ڈالے اور رنگ رنگ کے مصائب میں گرفتار کرے۔ اگر یہی کرے تو پھر بھی اس کا عدل ہی ہوگا۔ اور اس کے لئے کوئی معیوب کام نہ تھا۔ اور نہ ہوگا۔ خدا اپنے حب وعدہ اور فضل و کرم سے بندوں کو اپنی اطاعت قبول کرنے پر ثواب دیتا ہے۔ ورنہ بندوں کا کوئی اس کے قسٹ نہیں۔ اور نہ ہی ان کا کوئی فرض اس پر عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر کوئی فعل بھی واجب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ اس سے ظلم متصور ہو سکتا ہے۔

اور کسی کا حق اس کے ذمہ پر واجب نہیں۔ مگر مخلوق پر اس کا حق اطاعت واجب ہے۔ جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بیان کیا ہے۔ اور وہ حق اطاعت صرف عقل سے دریافت نہیں ہوتا تھا۔ اسلئے اس نے اپنے رسول پیغمبر اور کھلم کھلا معجزات سے ان کی صداقت کا اظہار فرمایا۔ تو پھر انہوں نے خدا کا امر، نہی، وعدہ اور وعید کی خبر دی۔ اس لئے مخلوق پر واجب ہو گیا کہ جو کچھ بھی وہ کہتے ہیں، اس کی تصدیق کریں۔

مفتیں اسلامی

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

۴۔ منصب رسالت

خدا ہی نے اپنا نبی امی قرشی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کائنات کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ خواہ عرب ہوں یا عجم یا حین ہوں یا انسان، سوائے چند اصول احکام کے، تمام شرائع سابقہ کے احکام کو منسوخ کر دیا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام پر آپ کو فضیلت بخشی۔ آپ کو سید البشر بنایا۔ اور جب تک محمد رسول اللہ کا اقرار نہ ہو، اقرار توحید یعنی لا الہ الا اللہ ماننے سے روک دیا۔ اور مخلوق پر آپ کی تعین فرم کر دی۔ ان احکام کے متعلق جو آپ نے دنیا و آخرت کی بابت بیان کئے ہیں۔ اور یہ بھی فرم کیا۔ کہ کسی کا ایمان معتبر نہیں۔ جب تک وہ باتیں نہ مانے۔ جنکی خبر آپ نے انسان کی موت کے بعد دی ہیں۔

جن میں سے اول منکر نکیر کا سوال ہے۔ یہ دو فرشتے باہمیدت غوثناک ہیں۔ جو مردہ کو قبر میں سیدھا بٹھا دیتے ہیں۔ جس میں روح اور جسم دونوں ہوتے ہیں۔ پھر توحید اور رسالت نبوی کا سوال کرتے ہیں۔ کہ تیرا رب کون ہے۔ تیرا دین کیا ہے۔ اور تیرا نبی کون ہے؟ اور یہ دو فرشتے قبر کا امتحان ہیں۔ کیونکہ موت کے بعد قبر میں پہلا امتحان ان کے سوالات ہیں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ مومن عذاب قبر کو تسلیم کرے۔ کہ وہ حق ہے اور حکمت اور عدل ہے جسم اور روح پر حسب طرح کہ خدا چاہے۔

یہ بھی مانے کہ میزان عمل کے دو پلڑے ہیں۔ اور ایک قبضہ کی رستی ہے۔ اس کی بڑائی کا بیان یوں ہے۔ کہ وہ زمین و آسمان کی وسعت کے برابر بڑی

ہے۔ اس میں قدرتِ الہیہ سے اعمال تولدے جائیں گے۔ اور اس کے بٹے چھوٹی اور رانی کے دانے کے برابر بھی ہونگے۔ تاکہ پورا پورا انصاف ہو۔ پھر اس کے نورانی پلہ میں نیک اعمال کے صیفے ڈالے جائیں گے۔ جن سے وہ ترازو بوجھل معلوم ہوگا۔ ان کے نیک اعمال کے درجہ کے مطابق خدا کے فضل و کرم سے۔ پھر دوسرے تاریک پلڑے میں بد اعمالیوں کے صیفے ڈالے جائیں گے تو وہ خدا کے عدل و انصاف سے ہلکا ہو جائے گا۔

مومن یہ بھی مانے، کہ پل صراطِ حق ہے اور جہنم کی پشت پر یہ ایک لمبا پل بچایا جائے گا۔ جو تلوار سے تیز ہوگا۔ اور بال سے باریک، اس سے کفار کے قدم پھسل جائیں گے۔ اور خدا کے حکم سے جہنم رسید ہوں گے۔ مومنین کے قدم اس پر ٹپک جائیں گے، تو جنت کو لے جائے جائیں گے۔

یہ بھی مانے، کہ حوضِ کوثر حق ہے۔ جس پر لوگ آئیں گے۔ اور حوضِ علیہ السلام کے حوضِ محمدی سے دخولِ جنت سے پہلے مومنین پانی پئیں گے اور پل صراط سے گزر کر بھی اس کا پانی پئیں گے۔ اور جو شخص اس کا ایک گھونٹ بھی پی لے گا۔ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ اس کی وسعت آسمان کے برابر ہے۔ اس میں دو نالیاں حوضِ کوثر سے نکل کر کھلتی ہیں۔

مومن یہ بھی مانے، کہ حساب کا دن حق ہے، جس میں مخلوقات مختلف طریق پر مبتلا ہوگی۔ کسی سے خوب باز پرس ہوگی۔ اور کسی سے چشم پوشی کی جائے گی۔ اور کئی ایک بغیر حساب کے بھی داخلِ جنت ہوں گے۔ اور یہ لوگ خدا کے مقرب ہوں گے۔ خدا کا منشا ہوگا۔ تو انبیاء علیہم السلام سے بھی سوال ہوں گے کہ تبلیغ کیسے کی؟ جی چاہے گا۔ تو کفار اور مکذبین سے بھی سوال ہوں گے کہ تم نے رسول کی تکذیب کیوں کی؟ بدعتی اور مخالفِ سنت

سے سوال ہوگا۔ کہ تم نے سنت طریق کو کیوں چھوڑا اور اہل اسلام سے اعمال کے متعلق سوال ہوگا۔

اور مومن یہ بھی مانے، کہ اہل توحید جہنم سے بدلہ پا کر آخر نجات پائیں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے فضل و کرم سے وہاں کوئی اہل توحید نہ رہے گا۔

یہ بھی مانے، کہ انبیاء علیہم السلام شفاعت کریں گے۔ ان کے بعد اہل علم پھر شہادت یافتہ اور سب کے اخیر باقی اہل اسلام اپنی اپنی قدر و منزلت کے مطابق شفاعت کریں گے اور جو مومن جہنم میں بغیر شفاعت کے پڑا رہے گا۔ اور اس کا کوئی شفیع نہ ہوگا۔ تو خدا کے اپنے فضل سے جہنم سے نکالا جائے گا۔ اور دوزخ میں کوئی اہل ایمان باقی نہ رہے گا۔ بلکہ جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا۔ وہ بھی جہنم سے نکال دیا جائے گا۔

یہ بھی مانے، کہ صحابہؓ کی فضیلت برحق ہے۔ اور ان میں ترتیب وار فضیلت دیوں ہے۔ کہ حضور علیہ السلام کے بعد افضل الناس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر حضرت فاروقؓ پھر حضرت عثمان غنیؓ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مومن صحابہؓ کے متعلق حسن ظن رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام نے ان کی تعریف و توصیف کی ہے۔ یہ بھی ان کی تعریف کرے۔

ان تمام عقائد کے متعلق شاید احادیث نبویؐ وارد ہیں۔ اور اقوال صحابہؓ مشابہ ہیں۔ جو شخص ان تمام عقائد کو تسلیم کرے۔ وہ اہل حق اور اہل سنت ہوگا۔ اور اہل بدعت اور گمراہ فرقوں سے الگ سمجھا جائے گا۔ ہم سب کافر منہ ہوں کہ خدا تعالیٰ سے کمال یقین اور اسلامی استقلال کی درخواست کریں۔

اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے کیونکہ وہی ارحم الراحمین ہے۔ وصلى الله على
 سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين۔ یہاں تک جو یہیں امام صاحب
 کی کتاب قواعد العقائد سے نقل کرنا تھا۔ نقل کر دیا ہے۔

مستعین اسلام

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

۵۔ اُمتِ محمدیہ کا ۷۲ فرقہ بننا

اب مولف رسالہ ہذا (عفی عنہ) اپنا مضمون شروع کرتا ہے کہ
 بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَبِہِ نَسْتَعِیْنُ یَا اللّٰہُ سہیں جو حق بات ہے
 وہ صحیح دیکھا دے اور باطل کو واقعی طور پر باطل دکھا اور ہمیں اس سے کنارہ
 کشی نصیب کر۔ اس کے بعد واضح ہو کہ آج اس اُمتِ محمدیہ میں عقائد کا اختلاف
 بہت ہے۔ اور ان کی رائیں مختلف ہیں۔ اور انہیں باہمی نفرت پیدا ہو چکی
 ہے۔ اور بغض پیدا ہو گیا ہے۔ ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ میں حق پر ہوں
 اور دوسرے باطل پر ہیں۔ کیوں ایسا نہ ہو جب کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں پہلے ہی
 خبر دی ہوئی ہے اور فرمایا ہے کہ میری اُمت ۷۲ فرقہ پر تقسیم ہو جائے گی۔۔۔ اور یہ
 حدیث پورے سوال و جواب کے ساتھ میں نے اپنی کتاب فارسی الاصول
 الاربعۃ فی تزیید الوہابیۃ کے اخیر نقل کر دی ہوئی ہے۔ مگر تاہم تکمیل
 فائدہ کیلئے اسے یہاں بھی نقل کرتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے
 روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری اُمت پر
 وہ انقلاب آئے گا۔ جو بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ جو یہاں تک کہ اگر ان
 میں سے کسی نے اپنی ماں سے بد فعلی کی ہوگی، تو میری اُمت میں بھی ایسے لوگ
 ہوں گے، جو ایسا کر گویں گے۔ اُمت بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں پر منقسم ہو
 گئی تھی۔ اور میری اُمت ۷۲ ملت پر تقسیم ہوگی۔ اور وہ سارے کھارے جہنم
 میں جائیں گے۔ مگر ایک فرقہ نبی رحیمؐ کے پوچھا کہ یا رسول صلعم
 وہ کونسا فرقہ ہوگا؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ وہ ہے جو ان اصولوں پر قائم ہوگا،

کہ جن پر میں اور میرے صحابہ قائم ہیں۔ (رواہ الترمذی) امام احمد اور ابو داؤد حضرت معاویہ سے روایت کرتے ہیں کہ ۷۲ فرقے دوزخ میں جائیں گے۔ اور ایک فرقہ جنت میں داخل ہوگا اور اس فرقہ کا نام، جامعہ ہے۔ میری امت میں ایسی قومیں بھی پیدا ہوں گی کہ جن کو یہ نو پیدا کیا گیا اس طرح اڑائیں گے جس طرح کہ دیوانہ گتے کی نہ ہر دوڑاتی ہے۔ باولے گتے کے کاٹے ہوئے کا کوئی رگ و ریشہ نہیں ہوتا کہ جس میں اسکی زہر کا دخل نہ ہو۔

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ جو دوزخی ۷۲ فرقے حدیث میں مذکور ہیں وہ کوئی نیا اسلام پیش کریں گے یا اسی اسلام کے دعویدار ہوں گے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ سب اسلام کے دعویدار ہوں گے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے ان کو امت کے لفظ سے بار بار ذکر کیا ہے مگر جو لوگ نیا مذہب پیش کریں گے یہ وہ ہوں گے جو خدا اور رسول کو نہیں مانیں گے اس لئے وہ امت محمدیہ میں داخل نہیں۔ (پہلی قسم کا نام اہل اجابت ہے اور دوسری کا نام اہل دعوت) اس مقام پر ایک اور مشکل سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۷۲ فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کا یہی دعویٰ ہے کہ ہم نجات پانے والی (فرقہ ناجیہ) جماعت ہیں۔ اور ہم ہی ما انا علیہ واصحابی کی صمیم مثال ہیں۔ کیا کوئی یہ عقیدہ ایمان داری سے حل کر سکتا ہے؟ اس لئے اس کے جواب میں اہل سنت و الجماعت بے چین ہوئے اور بارگاہ الہی میں گڑگڑائے تو انکو قرآن مجید کی یہ آیت نظر آئی، فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ (سورۃ النساء۔ رکوع ۹۔ پارہ ۵) کہ بخدا وہ لوگ مومن شمار نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو جج نہ مانیں گے۔ اس لئے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لاجعل سوال میں اپنا جج مان

یا اور فیصلہ ہو گیا۔

کیونکہ حدیث مذکور میں حضور علیہ السلام کا یہ لفظ مبارک موجود ہے کہ وہ فرقہ ناجیہ جماعت ہے اور یہ سب کو معلوم ہے کہ جماعت کا لفظ فرقہ اہل سنت والجماعت کے نام کا اصلی جزو ہے۔ جیسا کہ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں ہے۔ اور جماعت سے مراد ہمیشہ کثرت افراد ہوا کرتے ہیں اور کثرت افراد اہل سنت والجماعت ہی ہیں جو مذاہب اربعہ کے مشرق و مغرب میں مقلد ہیں۔ اور یہ کثرت گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر ایسی روشنی ہے جس کو کوئی دلیل کی ضرورت نہیں۔

(سوال دیگر) ایک گمراہ فرقہ کا قول ہے کہ حدیث میں جماعت کا لفظ آیا ہے اور اس سے مراد اہل حق ہیں۔ اگرچہ ان کے افراد کی قلت ہو۔ ہم جواباً کہتے ہیں کہ یہ مطلب صحیح نہیں کیونکہ وہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور حدیث میں جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ میری امت کو یا بالقاظ و یگر امت محمدیہ کو گمراہی پر متفق نہیں کرے گا۔ اور جماعت پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہو گا، وہ دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ (رواہ الترمذی) ابو بکر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں نے خدا سے یہ درخواست کی تھی کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہو تو خدا نے مجھے یہ عطیہ بخش دیا (رواہ طبرانی) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جماعت سے الگ ہو کر مر جائے تو بے دین کی موت مرے گا۔ (رواہ البخاری)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگرچہ حدیث میں لفظ جماعت یا لفظ

اجتماع مذکور ہے۔ لیکن احادیث میں یہ تصریح موجود نہیں کہ اس سے مراد کثرت افراد ہیں تو ہم اس کے جواب میں یوں کہیں گے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم کثیر التعداد جماعت کی تابعداری کرو، ورنہ جو الگ ہوگا، داخل جہنم ہوگا۔ (رواہ ابن ماجہ) اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شیطان انسان کے لئے بھیڑیا ہے، جب طرح کہ بھیڑ بکری کے لئے بھیڑیا ہوتا ہے اور وہ اس بھیڑ بکری کو پکڑ لیتا ہے جو ریڑھے الگ چرتی ہے یا کنارہ کرتی ہے۔ تم ایسی کنارہ کشیوں سے پرہیز رکھو اور عام اہل اسلام اور جماعت کا دامن تمام رکھو (رواہ احمد) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھر بھی الگ ہوگا، یوں سمجھو کہ اس نے اسلام کا جو آپنی گردن سے اتار دیا (رواہ احمد و ابوداؤد) یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے۔ **بہر حال السواد الاعظم یا العامة** لفظ کثرت افراد کی تصریح کر رہا ہے۔ اور اہل سنت والجماعت کے افراد کی کثرت تمام گمراہ فرقوں کے مقابلہ پر بالکل واضح اور صاف ہے۔ اور ہر ایک کو معلوم ہے اس لئے ثابت ہوا کہ اس مقام پر فرقہ ناجیہ سے مراد اہل سنت والجماعت ہی ہے جو مشہور مذاہب اربعہ کے متعلق ہیں۔ (الحمد للہ علی ذلک)

۶. قرآن مجید میں حقیقت و مجاز کا بیان

ان معلومات کے بعد واضح رہے کہ عرب و عجم کی تمام زبانوں میں حقیقت و مجاز کا استعمال موجود ہے۔ خواہ وہ اچھی ہوں یا بُری، یہاں تک کہ خود کلام الہی میں بھی یہ دونوں موجود ہیں۔ چنانچہ ہم چند آیات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

اَوَّلُ، اَللّٰهُ يَتَوَفَّيْكَ الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (پارہ ۲۴ - سورہ الزمر - رکوع ۵) یہ کہ خدا موت کے وقت روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے۔ پھر فرمایا قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (پارہ ۲۱ - سورہ البقرہ - رکوع ۱) کہ ملک الموت تمہیں وفات دیتا ہے جو تم پر مسلط کر دیا گیا ہے، پس توئی کا تعلق خدا سے حقیقی ہے۔ اور فرشتے سے مجازی۔ دوم، يَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ اِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَنْ يَشَاءُ الذَّكَوٰرَ (پارہ ۲۵ - سورہ شوریٰ - رکوع ۵) خدا ہے چاہتا ہے لڑکیاں بخشے اور جسے چاہتا ہے لڑکے بخشے۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام کا قول یوں منقول ہے۔ قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ وَّيْلٌ لِّاَهْبَ لَكَ عَلَمًا ذِكْرًا (پارہ ۱۶ - سورہ مریم - رکوع ۲) کہ آپ نے حضرت مریم علیہا السلام کو یوں کہا تھا کہ میں اس لئے تیرے پاس آیا ہوں کہ تمہیں مقدس لڑکا دوں۔ خدا کا یہی حقیقی ہے، اور جبرائیل کا مجازی۔ سوم، قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (پارہ ۲۴ - سورہ الزمر - رکوع ۶) اے میرے بندو! جنہوں نے بے اعتدالی کی ہے۔ رحمت الہی سے نا اُمید نہ ہو جاؤ اور شیطان سے یوں کہا کہ: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ (پارہ ۱۴ - سورہ حجر - رکوع ۲) یعنی میرے بندوں پر تیرا تسلط نہ ہوگا۔

پھر فرمایا کہ: **وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ**
وَأِمَّا أَنْتُمْ (پارہ ۱۸ - سورۃ نور - رکوع ۴)

تم اپنے بندوں اور گنہگاروں کے نکاح کرو یا کرو (پس پہلی دو آیتوں
 میں عبد کا تعلق خدا سے حقیقی ہے اور تیسری آیت میں لوگوں سے تعلق مجازی
 ہے - چارم، **يُحْيِي وَيُمِيتُ** (پارہ ۲۷ - سورۃ الحديد - رکوع ۱)

خدا ہی موت و حیات دیتا ہے - اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول یوں
 نقل کیا ہے کہ، **وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ** (پارہ ۳ - سورۃ ال عمران
 رکوع ۵) میں بفضلِ خدا مردے زندہ کرتا ہوں (تو زندگی دینے کا تعلق خدا
 سے حقیقی ہے اور حضرت عیسیٰؑ سے مجازی - پنجم، **وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ**
يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (پارہ ۲ - سورۃ بقرہ - رکوع ۲۶)
 خدا جسے چاہے راہِ راست دکھاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ
وَإِنَّكَ لَمَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (پارہ ۲۵ - سورۃ شوریٰ
 رکوع ۵) آپ راہِ راست دکھاتے ہیں (مگر الہی ہدایت حقیقی ہے اور قرأت
 نبویؐ مجازی ہے - ششم، **يُذَكِّرُ الْأُمَمَ** (پارہ ۱۱ - سورۃ یونس
 رکوع ۱) خدا کائنات کی تدبیر کرتا ہے - پھر فرمایا کہ، **فَالْمُدَبِّرَاتِ**
أُمُورٌ (پارہ ۳۰ - سورۃ النازعات - رکوع ۱) قسم ہے انہی جو تدبیر کرنے
 والے ہیں - پہلی آیت میں حقیقت ہے اور دوسری میں مجاز -
 ہفتم، **قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا**
اللَّهُ (پارہ ۲۰ - رکوع ۵) کہو! جو لوگ یا فرشتے،
 آسمان و زمین میں ہیں انہیں سے کوئی بھی غیب نہیں جانتا، لیکن اللہ غیب
 جانتا ہے - اور حضرت عیسیٰؑ کا حال یوں بتایا کہ آپ کہتے تھے - کہ

وَأُتِيْتُمْ بِمَآثِلِكُم مِّن دُونِهَا وَخُلِدْ فِي بَيْتِكُمْ

(پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں تم کو سب کچھ تبادلوں کا

جو تم کھاتے ہو یا جمع رکھتے ہو اپنے گھروں میں) پھر حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمایا کہ آپ دو قیدیوں سے یوں کہتے تھے کہ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ مِّن رَّزَقِنَا

إِلَّا نَبَأٌ تَكْهَبَانِ (پارہ ۱۲ - سورۃ یوسف - رکوع ۵)

نہیں لائے گی ، تمہاری خوراک جو تمہیں دی جاتی ہے ۔ مگر میں اس کے آنے

سے پہلے ہی تمہارے خوابوں کی تعبیر کر دوں گا ۔) پہلی آیت میں حقیقت دوسری

دو آیتوں میں عجاز ہے ۔ ہشتم : حضرت ابراہیمؑ کا قول یوں نقل کیا ہے کہ آپ

کہتے ہیں کہ ، وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (پارہ ۱۹ - سورۃ

شعراہ - رکوع ۵) جب میں بیمار ہوتا ہوں تو خدا ہی مجھے شفا دیتا ہے اور

عسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں کہ وَأُوبِي عَمَّالِكُمْ وَلَا بُرْصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى

يَا ذِي اللّٰهِ (پارہ ۲ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں مایہ ناز

اندھوں اور کوڑھوں کو شفا دیتا ہوں ۔ اور خدا کے فضل سے مرص

بھی زندہ کر لیتا ہوں ۔ پس پہلی آیت میں حقیقت ہے ۔ دوسری میں مجاز نہم ، فرمایا کہ ،

وَهُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (پارہ ۲۳ - سورۃ یسین - رکوع ۵) خدا ہی پیدا

کرنے والا اور خوب جانتے والا ہے ۔ پھر حضرت عسیٰ علیہ السلام کا قول بیان کیا

أَنِّي آخُلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا

يَا ذِي اللّٰهِ (پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۵) میں مٹی سے

پرندوں کی وضع و شکل بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے

فضل سے پرندے بن جاتے ہیں) یہاں بھی پہلے حقیقت ہے پھر مجاز ۔ دہم :

فَمَا يَكُ ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (پارہ ۲۴ -

سورۃ ذاریات - رکوع ۳) وہی خدا ہر ایک کا رازق ہے۔ اور نہ برست فاقہ کا مالک ہے۔ پھر فرمایا کہ، وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَآلِیُّ الْمَلَکِیْنِ فَادْرُکُوهُمْ مِّنْهُ ۝ (پارہ ۴ - سورۃ نساء رکوع ۱) جب میراث تقسیم کرنے کے وقت رشتہ دار یتیم اور مسکین حاضر ہوں تو اس میں سے ان کو رزق دو (یہاں بھی پہلے حقیقت ہے اور پھر مجاز ہے بلکہ ہم فرمایا کہ، إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (پارہ ۲۲ - سورۃ مؤمن رکوع ۲) خدا ہی سمیع و بصیر ہے۔ پھر فرمایا کہ، إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۃ دھر - رکوع ۱) ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، تاکہ اس کو دنیا کے ابتلا میں ڈالیں اس لیے اسے سمیع و بصیر بنا دیا) پہلا سمیع و بصیر حقیقت ہے دوسرا مجاز۔ الغرض اس قسم کی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ بہت ہیں پس جب حقیقت و مجاز کا استعمال قرآن مجید میں موجود ہے تو اگر اسے خدا کے بندے استعمال کر لیں اپنے محاورات میں تو کون سی قباحت ہوگی۔ یہ حال اس اصول پر کئی ایک مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ جو مذاہب اربعہ کے مقلدین اور ولایتیوں کے درمیان زیر بحث اور استدلالی جنگ کا میدان بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے درمیان جو ان کے طریق پر چلتے ہیں۔

علم غیب

(نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کا
حاصل ہونا)

چنانچہ ان میں سے ایک علم غیب کا مسئلہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم اور خاصانِ امت محمدیہ کو حاصل تھا یا نہیں ؟
پس جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھانے اور گھروں کے ذخیروں
کی خبر غیب دیتے ہیں تو یہ امر کیوں جائز نہ ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور
امت محمدیہ کے خاص خاص مقرب بندے بھی غیب کی چند خبریں دیں ، یا
دنیا کے مستقبل کے حالات اور برزخ کے حالات بتاتیں ۔ اگر یہ اعتراض کیا
جائے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا ۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی غیب دانی کیوں معجزہ نہیں ہو سکتی ۔ اور خواص امت کے لئے کرامت
کیوں نہیں ہو سکتی ۔ اگر یہ سوال ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو خود خدا بتا دیتا
تھا ۔ تو ہم کہیں گے کہ ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو خدا بتا دیتا تھا ۔
اب واضح رہے کہ مسئلہ علم غیب ایک عظیم الشان زیر بحث
مسئلہ ہے ۔ جس پر علمائے وقت جھگڑتے رہتے ہیں ۔ اور فریقین ، فراط و تفریط میں پڑ
گئے ہیں ۔ جس کی وجہ سے ان کے درمیان سخت اختلاف رونما ہو چکا ہے ۔ یہاں
تک کہ وہ ایک دوسرے کو کافر بھی کہہ چکے ہیں ۔
کیونکہ ایک فرقہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب کُل

اور غیب جزئی اور غیب ماضی و مستقبل ثابت کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو ان سب چیزوں کا علم دیا تھا۔

ایک فریق نے سرے سے علم کلی ہی کی نفی کر دی ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کو حاصل نہ تھا۔ کیوں کہ علم غیب کلی اللہ تعالیٰ کے عواکس کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور غیب جزئی تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کیونکہ وہ جب طرح رسول کو حاصل ہے، اس طرح دیوانوں اور چارپایوں کو بھی حاصل ہے۔ (خدا ایسے عقیدے سے بچائے) یہ ایسا عقیدہ ہے کہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کا اظہار ہوتا ہے اور کشاں کشاں بڑے خاتمہ تک پہنچانے والا ہے۔

ایک فریق نے وہ تمام علوم غیبیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ثابت کئے ہیں۔ جو رسالت اور نبوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا گزشتہ امتوں سے اور احوال برزخ یا قیامت کے خوف ناک حالات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا جنت کی نعمتوں اور دوزخ کے عذاب کے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ علم غیب بھی جو عالم بالا اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ نے آپ کو بتا دیئے ہیں۔ اور یہ عقیدہ افراط و تفریط کے درمیان سے ہے، اور تقویٰ کے قریب ہے۔

کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ جو لوگ تمام قسم کے علوم غیبیہ کلی جزئی ماضی حال اور مستقبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرتے ہیں وہ ان علوم کے متعلق کیا جواب دیں گے جو شرع میں ممنوع قرار دیئے گئے ہیں۔ مثلاً نجوم، جفر، شعبہ بازی، کہانت، موسیقی، سحر، رمل، یونانی فلسفہ برائیات کے متعلق ہے۔ (کیا یہ بھی آپ کو حاصل تھے؟) اور وہ اس کا بھی کیا جواب دیں گے۔ کہ خود خدا نے تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ فرمایا

ہے کہ، وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْتَبِغِي لَهٗ ؕ (پارہ ۲۳ - سورۃ یس -

رکوع ۵) ہم نے اپنے رسول کو شعر کا علم نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ علم آپ کے شان کے شایان ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، وَلَا يَقُولُ كَافٍ ؕ (پارہ ۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲) آپ جادوگر نہ تھے اور یہ قرآن کسی کاہن کا قول نہیں۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ علوم از قسم غیب نہیں بلکہ از قسم ظاہر ہیں تو ہم جواب میں پوچھیں گے کہ اگر وہ غیب میں داخل نہیں تو کیا وہ ماکان و مایکون میں بھی داخل ہیں یا نہیں؟ تو اگر جواب دیا جائے کہ ہاں وہ انہیں داخل ہیں تو ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ داخل ہوں مگر خدا تعالیٰ نے ذات رسالت کو ان علوم کی آلائش سے صاف کر دیا ہوا ہے کیونکہ آپ رسول اُمّی تھے۔ کفار جادو کا الزام دیتے تھے۔ مگر خدا نے کہا کہ وہ جادوگر نہیں۔ پھر وہ کہانت کا الزام دیتے تھے کہ جن بھوت کے ذریعہ سے آپ خبریں دیتے ہیں۔ لیکن خدا نے کہا

کہ، وَلَا يَقُولُ كَافٍ ؕ (پارہ ۲۹ - سورۃ الحاقۃ - رکوع ۲)

”یہ قرآن کس کاہن کا قول بھی نہیں“ پھر وہ کہتے تھے کہ کوئی اور آدمی آپ کو یہ قرآن سکھاتا ہے تو خدا نے جواب میں کہا کہ، لَإِنَّ الَّذِي يُلْحِدُ ذُنَّكَ إِلَيْهِ أَنْجَمُكَ وَهَذَا إِلَٰحٌ قَرِيبٌ مُّبِينٌ ؕ (پارہ ۱۷ - سورۃ نحل - رکوع ۱۲) ”جس آدمی کی طرف تعلیم قرآن کو وہ منسوب کرتے ہیں وہ تو علیٰ ہے عربی زبان جانتا ہی نہیں اور یہ قرآن فصیح عربی میں ہے۔“ اگر یوں کہا جائے کہ نہیں یعنی ماکان اور مایکون میں۔ یہ علوم ممنوعہ داخل نہیں تو ہم پوچھیں گے کہ پھر یہ علوم ممنوعہ کس قسم میں داخل ہوں گے۔

اور منکرین علم غیب ان احادیث کا کیا جواب دیں گے۔ جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عذاب قبر، سوال ملائکہ، قبر کی تنگی کی خبر دی ہے یا جنہیں آپ نے قبل از وقوع فتوحات اسلامیہ کی خبر دی ہے۔ یا اخیر

زمانہ کی خبریں دی ہیں۔ حالانکہ سب کچھ اسی طرح پیش آیا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا اور اس کا کیا جواب ہو گا جو آپ نے قتل کفار کے مقامات قتل جنگ بدر میں بتائے تھے۔ چنانچہ وہیں وہ قتل ہوئے جہاں آپ نے کہا تھا۔ کیا چارپائے اور دیوانے بھی ایسی خبریں دے سکتے ہیں؟ میں نے خود اس آدمی سے سنا ہے جس کے دل کو خدا نے اندھا کر دیا تھا کہتا تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمان کی فتح جانتے ہوئے اور بدر میں قتل کفار کی خاص خاص جگہیں جانتے ہوئے تو مسلمانوں کی فتح کے لئے اور قتل کفار کے واسطے مسجدہ میں پڑ کر دعا نہ کرتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس محروم العقل کو یہ معلوم نہیں کہ حضور علیہ السلام کی دعا کرنا مسلمانوں کے حق میں خدا کے سامنے تواضع اور اظہار خاکساری تھی۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ آپ صراط مستقیم پر قائم ہیں۔ حالانکہ خدا نے بتا دیا ہوا تھا کہ **إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ** (پارہ ۲۵ - سورۃ ذہرف رکوع ۴) آپ صراط مستقیم پر ہیں۔ تاہم آپ نماز میں یہ الفاظ دہرایا کرتے تھے کہ **أَعُوذُ بِالصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ۔

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ (پارہ ۲۹ - سورۃ جن - رکوع ۲) تمہارا خدا عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اس رسول کو جسے وہ پسند کرے پھر یہ بھی فرمایا کہ **وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ** (سورۃ آل عمران - رکوع ۱۸) خدا تعالیٰ تو تم کو علم غیب پر مطلع کرنے کے قریب بھی نہیں ہے لیکن اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو چاہے انتخاب کر لیتا ہے۔ تو کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برگزیدہ اور منتخب شدہ رسول نہ

تھے؟ اگر یوں کہا جائے کہ ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی آیت کے استثناء میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپؐ برگزیدہ اور پشیدہ رسول ہیں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے کہ لیکن اپنے رسولوں میں سے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے۔ کیونکہ آپؐ ہی رسول مجتبیٰ ہیں۔ اگر اس کا انکار کیا جائے تو پھر ہم پوچھیں گے کہ پھر حضور علیہ السلام کے سوا ان دونوں آیات میں کس رسول مجتبیٰ و مرتضیٰ کا ذکر ہے؟۔ اس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ عالم الغیب کے فقرہ کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صحیح ہے۔ باعتبار بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت سے وابستہ ہے) اور بعض علم غیب کے (جو منصب رسالت کے دائرہ سے خارج ہے) اعتبار سے صحیح نہیں۔

کیونکہ بعض مغیبات کا خبر دینا آپؐ سے بالکل صحیح اور روشن ہے۔ مثلاً آپؐ کا عالم برزخ کے متعلق قبر کی تنگی اور منکر نکیر کے سوالوں کی خبر دینا اور نیک بندے کی قبر کا بے گزرتک وسیع ہونے اور بدکار پر تنگ ہونے کی خبر دینا یا احوال قیامت میں خدا کے سامنے پیش ہونے، وزن اعمال پلصراط، حوض کوثر، شفاعت جنت اور اس کی نعمتیں اور دوزخ اور اس کی آگ کا خبر دینا۔

یا چند معاملات دنیاویہ سے خبر دینا۔ مثلاً بدر میں مشرکین کی قتل گاہیں بتانا، یا حاطب بن بلتعہ کی چٹھی واپس لینا۔ جو اُس نے پوشیدہ طور پر مشرکین کو لکھی تھی۔ یا ابو جہل کو بتانا کہ اس کی مٹھی میں کسکریاں ہیں۔ یا شاہ فارس کے قتل کی خبر دینا خاص اُسی صبح کو جبکہ مارا گیا تھا۔ یا موت نجاشی شاہ حبشہ کی خبر دینا۔ پھر مدینہ طیبہ میں اس پر غائبانہ جنازہ پڑھنا۔ یا یہ خبر دینا کہ ایک اس کا فہد معاہدہ کو کھا گئی ہے۔ جو قریش نے آپؐ کے خلاف لکھ کر بیت اللہ شریف

میں اویزاں کیا تھا۔ یا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینا اور اس کے
دور فیتوں کی خبر دینا جنگِ تبوک میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر
فتوحات کا حاصل ہونا۔ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ پر قلعہ خیبر کا فتح ہونا یا
بکری کے گوشت میں زہر ملانے کی خبر دینا جو یہودیوں نے آپ کی خدمت میں
بطور تحفہ بھیجا تھا۔ یا آپ کا خبر دینا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ والشدین خارجی
کو قتل کریں گے۔ یا اخیر زمانہ میں فتنوں کا پیدا ہونا۔

عزیز! اسی قسم کی غیبی خبریں کئی ایک اور بھی آپ نے دی ہیں جو
اس شخص پر محقق نہیں جو علوم اسلامیہ میں مہارت اور واقفیت رکھتا ہے۔ اگر
سوال کیا جائے کہ یہ تو خدا کے بتانے سے آپ نے بتائی ہیں۔ اس لئے یہ خبریں
غیب نہیں بلکہ از قسم وحی ہیں۔ تو ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی ہمارا دعویٰ ثابت ہوا کہ آپ
عالم الغیب تھے۔ اور جب یوں کہا جائے کہ خدا تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر کشف
کے طور پر آپ نے یہ خبریں دی تھیں۔ تو اس صورت میں بھی نبی کریم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہنا صحیح ہوگا۔ جو مقلد یوں کہتے ہیں کہ
حضور علیہ السلام تمام قسم کے غیب کو جانتے تھے۔ یا یوں کہتے ہیں کہ آپ کو تمام
ماکان و مایکون کا علم غیب تھا۔ تو ان کی مراد بھی وہی علوم غیبیہ ہیں۔ جو تلخ
ریالت اور منکرین کو لاجواب کرنے یا گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے حالات
معلوم کرنے کے متعلق ہیں۔ یا ان کی مطیع امت کی نجات اور منکرین کی ہلاکت
کے متعلق ہیں۔ یا جو امت محمدیہ کے احوال سے تعلق رکھتے ہیں جو اخیر زمانہ
میں پیش آئیں گے۔ یا ان فتنوں کی بابت ہیں جو امت محمدیہ پر آنے والے ہیں
یا ان تکالیف کے متعلق ہیں جو ان پر آئیں گی۔ یہاں تک کہ اہل جنت جنت چلتے
جائیں گے۔ اور اہل نار دوزخ میں پڑیں گے۔

مگر ہاں وہ علوم جو آپ کے شان کے شایان نہیں مثلاً علم شعر،
جغریہ، ریاضی، کیمیا وغیرہ اور وہ علوم کہ جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے قطعاً
نہیں۔ مثلاً پہاڑوں کے وزن معلوم کرنا۔ سمندروں کے پانی ماپنے کا علم یا بارش
کے قطرات کی گنتی یا درختوں کے پتوں کی گنتی۔ اور اسی قسم کے اور علوم کہ جن
کے نام بھی ہم نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں ان کی تشریح معلوم ہے۔ تو یہ سب قسم
کے علوم خاص خدائے خالق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ جو ان کو پیدا اور فنا کرتا ہے ورنہ
کسی انسان کا ان سے کوئی واسطہ نہیں۔

اگر کہا جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض غیبیوں کے عالم
ہیں تو پھر عالم الغیب کے فقرہ کا آپ پر استعمال کرنے کا کیا مطلب ہوگا۔ تو ہم
جواب دیں گے کہ کسی شخص کو کسی صفت سے موصوف کرتے کا یہ معنی نہیں ہوتا کہ
اس صفت کے تمام اقسام بھی اس میں موجود ہوں۔ بلکہ اتنا ضروری ہوتا ہے کہ
اسکے بعض حصے اس میں پائے جائیں۔ کیونکہ جب یوں کہتے ہو کہ زید عالم ہے تو اس
سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ زید تمام قسم کے علوم دنیائی، حلال، حرام وغیرہ سب
جانتا ہے۔ بلکہ بلا تکلف یہی ذہن میں آتا ہے کہ زید علوم مروجہ کا عالم ہے۔ جو
مذمومہ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا قول ہے کہ: **إِنَّ الْإِنْسَانَ
لِرَبِّهِهِ كَفُورٌ** (پارہ ۲۰۔ سورۃ اقرع۔ رکوع ۱)
(انسان بیشک اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے)۔ اس سے
مراد بھی بعض انسان ہیں ورنہ کئی ایک مالدار اللہ کے بندے ہو گزرے ہیں۔ بلکہ
مالدار انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی تھے۔

۸۔ ایصالِ ثواب

(حیثیت کو ثواب پہنچانا)

اختلافی مسائل میں سے ایک مسئلہ ایصالِ ثواب کا بھی ہے۔ کہ مردوں کی روحوں کو اپنے اعمال کا ثواب پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ حرام ہے یا ممنوع ہے یا بے فائدہ ہے۔ جہیں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ اس کے متعلق ان کے خیالات مختلف ہیں۔ بہر حال مانعین کی دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے اپنی ہی کمائی کام آئے گی۔ اس مسئلہ میں فریقین کے علماء کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔ جبکہ دلائل کا ذکر کرنا طوالت ہو گا۔ مگر اس رسالہ کے مصنف عبد الصغیف نے جب شیخ ابن قیم جوزی حنبلی کا اس مسئلہ میں ایک مضمون دیکھا جس میں انصاف بھرا ہوا تھا۔ تو انہیں نے وہی اختیار کر لیا۔ اور یہی پسند کیا کہ شیخ موصوف کے عقیدہ کیساتھ ان کا مقابلہ کروں۔ کیونکہ مسائل میں شیخ موصوف مخالفین کا ایک مسلم بزرگ ہے۔ اُمید ہے کہ وہ بھی حق کی طرف رجوع کر لیں گے۔ چنانچہ میں شیخ صاحب موصوف رحمہ اللہ کا وہ اقتباس پیش کرتا ہوں جو آپ نے اپنی کتاب ”کتاب الروح“ میں درج کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ سولہواں مسئلہ یہ ہے کہ آیا مردہ کی روح زندہ اعمال سے فائدہ اٹھا سکتی ہے یا نہیں؟ جواب یوں ہے کہ فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ دو طریق سے جن پر اہل سنت کے فقہاء، ائمہ حدیث اور مفسرین کا اتفاق ہے۔ پہلا طریق یہ ہے کہ مردہ اپنی زندگی میں اس عمل کا باعث بنا ہو۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ زندہ مسلمان اس کے حق میں دعاء اور استغفار کریں یا صدقہ خیرات کریں یا حج کریں۔ گو اس میں یہ اختلاف ہے کہ مردہ کو ثواب مال خرچ کرنے کا

ملے لگایا اصل عمل کا ثواب ہو گا۔ جمہور اہل علم کے نزدیک خود نیک عمل کا ثواب ملتا ہے۔ اور بعض حنفیہ کے نزدیک نیک عمل پر مال خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے۔

پھر ان کا اس میں اختلاف ہے کہ بدنی عبادات مثلاً نماز، روزہ، تلاوت قرآن اور ذکر الہی کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ تو امام احمد بن حنبل اور جمہور سلف کا یہ مذہب ہے کہ یہ بھی پہنچتا ہے اور یہی قول حضرت امام اعظمؒ کے بعض شاگردوں کا بھی ہے۔ اور اس فتوے پر محمد بن یحییٰ کمال کی روایت میں یوں تصریح موجود ہے کہ امام احمدؒ سے سوال کیا گیا کہ ایک آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے، مثلاً نماز، صدقہ، خیرات یا کوئی اور نیک عمل اور اس کا نصف حصہ اپنے باپ یا اپنی والدہ کے لئے مقرر کرتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ آپ نے کہا کہ مجھے اُمید ہے کہ وہ صحیح ہے پھر فرمایا کہ میت کو برچسیر (از قم صدقہ وغیرہ) بخشتی ہے یہ بھی کہا کہ آیتہ الکرسی تین دفعہ اور قل ہو اللہ احد ایک دفعہ پڑھو اور یوں دعائیں کہو کہ یا اللہ اس کا ثواب اہل مقابر کو پہنچے۔

اس امر کا ثبوت کہ جس نیک کام کا مردہ خود باعث اپنی زندگی میں بن چکے اس سے اس کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ ہے کہ امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ انسان جب مرتا ہے تو اس کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر تین قسم کے عمل جاری رہتے ہیں۔ اول صدقہ جاریہ، دوم مفید علم، سوم نیک اولاد جو اس کے حق میں دعا گو رہے لہذا ان اعمال کا استثنا کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل بھی اسی میت کے ہیں کیونکہ وہی ان کا باعث بنا ہے۔ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مومن کے نیک اعمال میں سے موت کے بعد اس کو یہ

عمل پہنچتے ہیں۔ اول جو اس نے پڑھایا اور پھیلایا۔ دوم نیک اولاد جسے اپنا چنانشین بنا لیا۔ سوم قرآن مجید جو ورثہ میں چھوڑ گیا۔ چہارم مسجد جو اس نے بنائی۔ پنجم سرائے جو مسافروں کے لئے تیار کی۔ ششم نہر جو اس نے کھدائی۔ ہفتم صدقہ جو اپنی زندگی میں بحالت صحت الگ کر چکا ہے۔ یہ موت کے بعد اسے پہنچے گا۔ (مختصر طور پر یہ مضمون ختم ہوا)

اور یہ امر کہ جس چیز کا باعث وہ مُردہ نہیں بنا۔ اس کا ثواب یا نفع بھی اسے پہنچتا ہے تو اس کا ثبوت قرآن، حدیث، اجماع اور اصول شرع سے ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ، وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ۔ (پارہ ۲۸ - سورہ حشر - رکوع ۱) ”جو مسلمان پہلے مسلمانوں کے بعد دنیا میں آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یا اللہ ہمیں بخش اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش، جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں۔“ دیکھو خدا تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف کی ہے جو اپنے پہلوں کے لئے مغفرت مانگتے ہیں اور اجماع اُمت محمدیہ سے ثابت ہے کہ نماز جنازہ میں میت کیلئے دعا کرنے سے اسے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور کتب حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو خلوص دل سے اس کے لئے دعا کرو۔ اور صحیح مسلم میں عوف بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنازہ پڑھا۔ اس میں آپ نے میت کے لئے جو دعا فرمائی تھی میں نے وہ یاد کر لی۔ چنانچہ آپ فرماتے تھے کہ یا اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم کر اور اسے سلامتی دے۔ اس کے قصور معاف کر۔ اپنے پاس عزت و اکبر کے ساتھ اسے فروکش کر اور اپنی بارگاہ میں اس کا داخلہ وسیع کر۔

صدقہ کا ثواب پہنچانا

صدقہ کا ثواب پہنچانا اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور کہا کہ میری ماں مر گئی ہے اور وصیت نہیں کر سکی۔ مجھے خیال ہے کہ اگر بول سکتی تو صدقہ صدقہ کرتی۔ تو کیا میں اگر صدقہ کروں تو اس کو ثواب ملیگا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ملے گا۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی ماں مر گئی اور وہ غیر حاضر تھا۔ پھر وہ حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا، یا رسول اللہ میری ماں میری غیر حاضری میں مر گئی ہے تو اگر میں اسکی طرف سے وکیل بن کر صدقہ کروں تو کیا اسے کچھ فائدہ ہوگا۔ تو آپ نے فرمایا ہاں فائدہ ہوگا۔ پھر سعد نے کہا کہ آپ گواہ رہیں کہ میرا بار و رباغ اسکی طرف سے صدقہ ہے۔ اور یہی حدیث مسنن میں ہے اور مسند احمد میں بھی سعد بن عبادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میری ماں ام سعد مر گئی ہے۔ تو آپ فرمائیے کہ کس قسم کی خیرات اسکی طرف سے افضل ہوگی۔ تو آپ نے فرمایا کہ پانی کی خیرات افضل ہے۔ پھر اس نے ایک کنواں بنوایا اور کہا کہ یہ کنواں میری ماں ام سعد کا ہے۔

روزے کا ثواب پہنچانا

رمہ روزہ کا ثواب پہنچانا تو اس کے متعلق بھی صحیحین میں روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو عمر جائے اور اس کے ذمہ پر روزے باقی ہوں تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے

اور یہ بھی صحیحین میں ہی روایت ہے کہ ایک آدمی حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ماں مر گئی ہے۔ اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے باقی ہیں تو کیا میں اس کی طرف سے قضا کروں تو آپ نے فرمایا ہاں قضا کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں مر گئی ہے اور اس کے ذمہ پر نذر کے روزے باقی ہیں تو کیا اس کی طرف سے میں روزے رکھوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم یہ خیال کرو کہ اگر اس کے ذمہ پر قرضہ ہوتا تو تو اُسے ضرور ادا کرتی، تو کیا وہ اس کی طرف سے ادا ہو جاتا یا نہ ہوتا۔ کہنے لگی ہاں وہ تو ادا ہو جاتا۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے بھی رکھ (یہ لفظ بطور تعلیق کے صرف بخاری میں ہیں)

حج کا ثواب پہنچانا

رہا ثواب حج کا پہنچنا۔ تو اس کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیحین میں موجود ہے کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میری ماں نے نذر مالی تھی کہ حج کروں گی۔ مگر وہ حج نہیں کر سکی اور مر گئی۔ تو کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا، اس کی طرف سے حج کر۔ پھر فرمایا کہ تم خود سمجھو کہ اگر تیری ماں پر قرضہ ہوتا تو تو اس کی طرف سے ضرور ادا کرتی۔ اس لئے خدا کا قرضہ بھی ادا کرو۔ کیونکہ اس کا قرضہ ادا کرنا تو سب سے زیادہ ضروری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی روایت ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا اپنے بیٹے کے متعلق کہ وہ مر گیا ہے۔ اور حج نہیں کر سکا۔ تو آپ نے فرمایا تو پھر تم اس کی طرف سے حج کرو (انتہی مختصراً)

اس کے بعد شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کا اس امر پر اجماع اور اتفاق ہے کہ میت کا ترنہ بعد میں ادا کرنے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ادا کرنے والا کوئی بیگانہ ہو یا اس کے مال متروک سے بھی ادا نہ کیا جائے اور حدیث قتادہؓ کی اس کا ثبوت دیتی ہے کہ اس نے ایک میت کی طرف سے دو دینار کی ضمانت دی تھی اور جب ادا کر دیئے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اب تو نے اس کے جسم کو ٹھنڈا کیا ہے۔

قرآن مجید کا ثواب پہنچانا

اب رہی تلاوت قرآن، تو اس کے متعلق بھی شیخ موصوف نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے آغاز میں مسئلہ اول کہہ کر بیان کیا ہے۔ کہ سلف صالحین کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ دفن کے وقت ان کے پاس قرآن مجید پڑھا جائے۔ شیخ عبدالحق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میری قبر کے پاس سورۃ بقرہ پڑھی جائے اور مجوزین میں سے ایک حضرت علی بن عبدالرحمن بھی ہیں اور حضرت احمد بن حنبلؓ جب تک کہ آپ کو کسی صحابی کا عمل معلوم نہ تھا۔ اس کے منکر تھے۔ پھر آپ نے رجوع کر لیا اور جناب خلیل اپنی جامع میں یہ عنوان دیکر کہ قبر کے پاس تلاوت قرآن جائز ہے لکھتے ہیں۔ کہ عباس بن محمد دوری نے ہمیں بتایا تھا کہ یحییٰ بن معین نے ہمیں بتایا تھا کہ معمر بن جریج نے کہا ہے کہ عبدالرحمن بن علاء بن صلاح اپنے باپ سے روایت کرتا ہے کہ میرے باپ نے کہا تھا کہ جب میں مرجاؤں تو مجھے لحد میں رکھتے ہوئے یوں کہو ۱۰۰ اللہ

علی سنت رسول اللہ۔ پھر مجھ پر مٹی ڈالتے جاتا اور میرے سر پر سورہ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھنا کیونکہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سنا ہوا ہے کہ آپ یوں کہا کرتے تھے۔

اس کے بعد کہ شیخ موصوف عقلی اور نقلی دلائل دے چکے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ تصریحات اس امر پر متفق ہیں کہ جب زندہ میت کی طرف سے کوئی عمل کرتا ہے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور عقل کا مقتضی ابھی یہی ہے کہ گو ثواب عمل کرنے والے کا حق ہے۔ مگر جب وہ اپنے مسلم بھائی کو بخش دیتا ہے تو کوئی ممانعت نہیں ہوتی جس طرح کہ اس امر کی ممانعت نہیں کہ اس کی زندگی میں اپنا کچھ مال بخش دے یا اس کی موت کے بعد اس کو مال کی ادائیگی سے بری اللہ کر دے۔ خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہیں خبردار کر دیا ہے۔ کہ روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے حالانکہ وہ روزہ صرف ترک اکل و شرب اور نیت کا نام ہے۔ اور نیت کا تعلق صرف دل سے ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہوتا۔ اور یہ روزہ کوئی مخصوص قسم کا عمل نہیں اور آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ قرأت قرآن کا ثواب بھی بطریق اولیٰ پہنچتا ہے جو زبان کا عمل ہے اور اسے کان سنتے ہیں۔ اور آنکھ دیکھتی ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ روزہ صرف نیت ہے۔ اور روزہ شکن امور سے اپنے نفس کو روکنے کا نام ہے۔ اور خدا اس کا ثواب میت کو پہنچا دیتا ہے۔ تو بلا قرآن قرآن کا ثواب کیوں نہ پہنچے گا۔ جو عمل اور نیت سے مرکب ہے بلکہ اس میں نیت کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ پس میت کو روزہ کے ثواب کے پہنچنے میں اس امر کا اشارہ ہے کہ باقی اعمال کا ثواب بھی میت کو پہنچتا ہے۔

اب عبادات دو قسم کی ہیں۔ مالی اور بدنی اور تیسری ان کے مرکب

کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ثواب صدقہ کے پہنچنے میں باقی عبادات مالیہ کے پہنچنے پر اشارہ کر دیا ہے۔ اور روزہ کے ثواب پہنچنے میں آپ نے اشارہ کیا ہے کہ تمام عبادات بدنیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور آپ نے حج کے ثواب پہنچنے کی بھی خبر دی ہے۔ جو عبادات مالی اور بدنی سے مرکب ہے۔ پس تینوں قسم کا ایصالِ ثواب نص اور قیاس شرعی سے ثابت ہو گیا
وہ اللہ المتوفیق۔

پھر شیخ موصوف لکھتے ہیں کہ مخالفین کی دلیل یہ ہے کہ ،
وَإِنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (پارہ ۲۷ - سورۃ النجم - رکوع ۲)
خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انسان کیلئے وہی ہے جو اس نے کمایا ، اور یہ بھی فرمایا کہ
لَا تَعْزُوزُنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (پارہ ۲۳ - سورۃ یسین - رکوع ۴)
”تم کو اسی کا بدلہ ملے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے“ پھر فرمایا کہ ، لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (پارہ ۳ - سورۃ البقرہ - رکوع ۷) وہ انسانی
نفس کیلئے وہ نیک عمل کام آئیگا جو اس نے کمایا ہوگا۔ اور اس پر اس بد عملی کا بوجھ
پڑیگا جو نفس پروری کیلئے اس نے کما لی ہوگی ، اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان
مرتا ہے تو اس کے عمل بند ہو جاتے ہیں۔ سوائے تین صورت کے کہ صدقہ جاریہ ہو
جو اس کے نام پر چلتا رہے۔ یا اولاد نیک ہو جو اسے نیک دعا دے۔ یا مفید تعلیم
ہو جس سے اس کے بعد لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ بہر حال حضور علیہ السلام نے وہ
اعمال نافع بتائے ہیں کہ جن میں بحالت حیات خود انسان کی اپنی کوشش کا کچھ
دخل ہو اور جنہیں اس کا کچھ دخل نہیں وہ عمل ضرور بند کیے جائیں گے۔
اس کے بعد شیخ موصوف نے ان کے عقائد کے دلائل بیان کئے
ہیں اور مجوزین ایصالِ ثواب پر ان کے اعتراضات لکھے ہیں۔ پھر جو ایصالِ ثواب

کے قائل ہیں انہوں نے مخالفین کو یوں خطاب کیا ہے کہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہے اس میں ایک دلیل بھی ایسی نہیں جو ہماری تحقیق کے مخالف ہو۔ جو ہم نے کتاب وسند اور اجماع سلف صالحین اور نتائج قیاس شرعیہ سے پیش کی ہے۔ کیونکہ یہ آیت کہ لیس للانسان الاماسعی مفسرین کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اس انسان سے کیا مراد ہے۔

ایک جماعت کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر انسان ہے اور مومن انسان کیلئے اسکی اپنی کماٹی بھی مفید ہے۔ اور وہ کماٹی بھی مفید ہے جو غیر کی طرف سے اس کے لئے کی جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے۔ ورنہ ہماری شریعت میں تو اپنی اور غیر کی کماٹی دونوں ثابت ہیں۔

ایک گروہ کا قول ہے کہ (لام بمعنی علی ہے) اور اس کا یہ معنی ہے کہ انسان کا نقصان اسی کی کماٹی سے ہوگا۔ غیر کی بد عملی سے اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔

ایک فریق کا خیال ہے کہ اس مقام پر (اوسعی لہ) مقدر ہے۔ تو اصل آیت یوں ہوگی کہ، لیس للانسان الاماسعی او سععی لہ۔

ایک فریق کہتا ہے کہ یہ آیت ہی منسوخ ہے۔ اس آیت سے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ان کی اولاد ایمان لانے میں ان کی تابع ہے تو ہم ان کی اولاد کو ان میں ہی شامل کر دیں گے۔ اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ اس سے مراد زندہ انسان ہے مگر وہ

انسان مراد نہیں۔

شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ یہ تمام تاویلیں آیت کے عام لفظ کو برمی طرح بگاڑتی ہیں۔ اسلئے ہم ان کو پسند نہیں کرتے۔ پھر ایک اور جماعت کا قول نقل کر کے فرماتے ہیں کہ یہ جواب ابو الوفا بن عقیل کی طرف سے دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کہا ہے کہ بہتر جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنی کوشش سے اور اپنی قوم کے نیک سلوک سے دوست پیدا کر لیتا ہے۔ بچے پیدا کرتا ہے، بیوی سے نکاح کرتا ہے۔ غیر سے بھلائی کرتا ہے۔ اور لوگوں سے دوستاؤں کاٹھتا ہے۔ تو لوگ اس پر رحم کرتے ہیں اور عبادات کا تحفہ دیتے ہیں۔ تو یہ سب اسی کی کوشش کا نتیجہ ہو گا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ انسان کی بہتر خواہ وہ ہے جو اپنی کمائی سے کھائے۔ اسکی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے۔ مگر یہ جواب نامکمل ہے اس لئے اسے تکمیل کی ضرورت بھی باقی ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ایمان سے اور خدا و رسول کی اطاعت سے اپنے عمل کے علاوہ اپنے مسلم بھائیوں کے عمل سے بھی فائدہ اٹھانے میں کوشش کرتا ہے۔ جیسا کہ زندگی میں اپنے عمل کے ہوتے ہوئے انکے عمل سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ایک دوسرے کے لیے عمل سے فائدہ اٹھایا کرتے ہیں۔ جیسے ملکر شریک کار ہوں جسے باجماعت نماز ادا کرنا وغیرہ۔

پھر شیخ موصوف فرماتے ہیں کہ مومن کا مسلمانوں کی جماعت میں داخل ہونا اور ان سے برادری کا معاہدہ قائم کرنا ہی ایک بڑا سبب ہے۔ اس امر کا کہ ہر مسلم کو اپنے بھائی کی طرف سے فائدہ پہنچے زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی۔

پھر شیخ فرماتے ہیں کہ انسان اپنے ایمان کی وجہ سے اپنے حق میں دعائے خیر لینے کا باعث ہوتا ہے۔ تو گویا یہ دعا بھی اسی کی کوشش ہے۔ اسکی وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے عبادت کو اس امر کا سبب بنایا ہے

کہ وہ عابد اپنے مسلم بھائیوں کی دعا اور سعی سے فائدہ اٹھائے تو انسان جب عبادت کرتا ہے تو وہ گویا اس سبب کے پیدا کرنے میں کوشش کرتا ہے جس کے طفیل سے وہ فائدہ اسے پہنچایا جاتا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان بھی دلالت کرتا ہے۔ جو آپ نے عمرو بن عاص کو فرمایا تھا جب کہ اس کا باپ بجالستہ کفر مر گیا اور اس نے اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا کہ اگر وہ تومید کا قاتل ہو جائے تو یہ غلام آزاد کرنا اسے مفید پڑتا جو اس کی موت کے بعد اس کی طرف سے آزاد کیا گیا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر وہ سبب پیدا کرتا تو گویا یوں سمجھا جاتا کہ وہ ایسا کام کرتا تھا جو اس کو غلام آزاد کرنے کا ثواب پہنچا دیتا۔ یہ طریق جواب بہت لطیف اور خوب ہے۔ اب وہ تمام معنوں مختصر طور پر یہاں فتم ہو گیا ہے۔ جو شیخ ابن قیم جوزی نے اپنی تصنیف کتاب الروح کے سولہویں مسئلہ میں درج کیا ہے۔

اب عبد صغیف (مؤلف رسالہ نذا) کہتا ہے کہ اگر تم کہیں سے بڑوں کہہ دو کہ تیرے پاس تو صرف دنیاوی مال وہی ہے جس کے تم اب مالک ہو۔ مگر کسی نے اگر اس کے بعد اسے بہت مال دیدیا تو اس واقعہ سے تمہارا وہ پہلا کہنا غلط نہ ہو گا کہ تم صرف لئے مال کے ہی مالک ہو۔ جواب تمہارے پاس ہے۔

مومن انسان جیسے اصلی ایسی لمائی جس سے قید ہے۔ اور وہ لمائی جس کی طرف سے اس کے لئے کی جائے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

ایک جماعت کی رائے ہے کہ یہ آیت پہلی شریعتوں کی خبر دیتی ہے۔ ورنہ

۱۷ میلاد النبی

مجالس میلاد اگرچہ موجودہ شکل میں خیر القرون کے وقت موجود نہ تھیں۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ یہ فعل مستحسن ہے اور تمام اہل اسلام کلمہ شرق و مغرب میں معمول یہ ہے سوائے فرقہ نجدیہ غیر مقلدین کے اور یہ اصول ہے کہ جس امر مباح کو مسلمان مستحسن سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی مستحسن قرار پاتا ہے۔ اور مجالس میلاد میں یہی ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ذکر کیجاتی ہے یا آپ کی مدح میں شعر پڑھے جاتے ہیں اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا سنت صحابہؓ ہے بلکہ سنت نبویؐ ہے۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسان بن ثابت سے اپنے اشعار مدحیہ سنا کرتے تھے اور کعب بن زہیر اور مواد بن قارب وغیرہ سے بھی آپ نے اشعار مدحیہ سُننے تھے۔ اس لئے جو شخص یہ کہتا ہے کہ ذکر میلاد اور مدحیہ اشعار کا پڑھنا ممنوع یا بُرا ہے اور فعل یہود ہے وہ شخص خود بُرا ہے اور رائدہ درگاہ نبویؐ ہے۔

اب مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس وجہ سے ذکر میلاد کو منع کرتے ہیں اور مجالس میلاد کے علاوہ دیگر نوپیدا امور کو کیوں منع نہیں کرتے مثلاً مسافر خالوں کا بنانا یا مساجد کا سجانا بیل بوٹے سے یا قرآن مجید کو سنہری حروف سے لکھنا یا علوم عقلیہ مروجہ کا تعلیم دینا یا عربی علوم کی تعلیم مثلاً صرف، نحو، فلسفہ، ریاضی وغیرہ یا زمانہ حال کے مروجہ لباس کا استعمال

یا مختلف قسم کے کھانے تناول کرنا جب اصل میں یہ سب مباح ہیں وہ ان پر
کوئی اعتراض نہیں کرتے مگر ذکر سیلا و جسمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
ولادت کا تذکرہ ہوتا ہے یا معجزات اور خرق عادات بیان ہوتے ہیں۔ جو
آپ کی ولادت کے وقت رونما ہوئے تھے تو اسے حرام یا بدعت جانتے ہیں
شاید عمانعت کی وجہ سے ہی معلوم ہوگی کہ ہم حضور علیہ السلام سے اظہارِ محبت
کرتے ہیں اور بس خوب!۔

تقریباً اسلامی

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

۱۸. نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آنا

ان مسائل میں سے حضور علیہ السلام کے تصور کا بھی مسئلہ ہے۔ جو نماز میں بلا اختیار آجاتا ہے۔ مخالفین کے امام کا قول ہے کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال آجانا تہازی کے اپنے جانوروں کے خیال سے بھی بدتر ہے۔ اور اس مقام پر اس نے ایک بدترین جانور کا ذکر کیا ہے۔ مگر بنی حبرأت نہیں کر سکتا کہ اس بُرے جانور کا نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کے مقابلہ پر ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذکر کروں۔ اور ان کا یہ عقیدہ بدترین عقائد میں سے ہے۔ ایسے عقائد سے خدا بچائے۔ تعجب ہے کہ پھر یہ لوگ حضور علیہ السلام کو فخرِ عالم بھی کہتے ہیں۔ مگر تم سوچو کہ جب فخرِ عالم کا ان کے نزدیک یہ حال ہے تو دوسرے انبیاء و صالحین کا کیا حال ہوگا۔ جو آپ سے بارگاہِ الہی میں کم درجہ پر مقرب ہیں۔ وہ بتائیں کہ جب وہ نماز میں واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً پڑھتے ہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تصور کو کیا سمجھتے ہیں۔ یا جب کَلَّمَ اللہُ موسیٰ تکلیماً پڑھتے ہیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تصور کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ آیت پڑھتے ہیں کہ كَانَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ تو آپ کے تصور کو کس قدر وقعت میں جانتے ہیں۔ ان پر ایک معصیت یہ بھی ہے کہ سارا قرآن تو حضور علیہ السلام کی تعریف سے پُر ہے۔ اور آپ کی تعریف بیان کرتا ہے۔ یا آپ کا قرب الہی اور محبت الہی ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اطِيعُوْا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْا الرَّسُوْلَ وَاُوْلٰى الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ مَنْ يُّطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ۔

(پارہ ۵ - سورۃ النساء - رکوع ۸ اور ۱۱) "وَتَمِ الْاَتَمَّ اِلٰہِ طَاعَتِکَ اَوَّلَ اَمْرِ
 کے رسول کی طاعت کرو، جو رسول کی طاعت کرتا ہے وہی خدا کی طاعت
 کرتا ہے۔" قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحِبِّکُمُ اللّٰہُ
 (پارہ ۳ - سورۃ آل عمران - رکوع ۴) "اے آپ کہہ دیں کہ اگر تم خدا سے محبت
 کرنا چاہتے ہو تو میری تابعداری کرو۔" اور یہ بھی فرمایا کہ، یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا
 اَرْسَلْنَاکَ شَٰہِدًا وَّ مُّشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِ
 رَبِّہٖ وَّ سِرَاجًا مُّبِیْنًا (پارہ ۲۲ - سورۃ احزاب - رکوع ۶)
 دوسرے نبی ہم نے آپ کو امت کا نگرانِ حال اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا
 ہے اور خدا کی طرف بلائیوالا اور روشن چراغ بنا کر مبعوث کیا ہے۔" یہ بھی
 فرمایا کہ، لَا تَجْعَلُوْا اَدْعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُّ عَآءٍ بَعْضُکُمْ
 بَعْضًا (پارہ ۱۸ - سورۃ النور - رکوع ۹) "تم رسول علیہ السلام کا
 بلاوا اپنے باہمی ایک دوسرے کے بلاوے کی مانند نہ بناؤ۔" یہ بھی فرمایا
 کہ، لَیْسَ مِنْکُمْ اَبَا اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ وَتَعَزَّوْہُ وَتَوَقَّوْہُ
 (پارہ ۲۴ - سورۃ الفتح - رکوع ۱) "تم رسول کی عزت و توقیر کرو۔"
 تو آپ وہابی بیچارہ کیا کرے اور کیسے اُس کے تصور کو رد کر سکتا ہے۔ سخت
 افسوس ہے کہ خدا تو تعریف کرے اور قوم آپ کی یہ عزت کرتی ہے کہ نماز میں
 آپ کے تصور کو بھی ممنوع قرار دیتی ہے اور جانوروں کے تصور سے بھی بدتر
 جانتی ہے۔ پھر اس قوم نے اپنا نام کیا رکھا ہے؟ اہل حدیث! اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا
 اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جب حضور علیہ السلام کے حلف الہیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
 کا وصال ہوا تھا تو مشرک کہتے تھے کہ آپ ابتر ہو گئے ہیں۔ تو خدا تعالیٰ نے جوب

دیا کہ، اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُّ م (پارہ ۲۰ - سورۃ الکوثر۔
 رکوع ۱) در آپ ابتر نہیں بلکہ آپ کے دشمن ابتر ہیں۔ " ایک دفعہ آپ
 نے کچھ صحابہ پر تبلیغ اسلام کے لئے قریش کو بلایا تھا۔ تو ابولہب نے اخیر وعظ پر کہا
 تھا کہ کیا اسی کام کے لئے آپ نے ہمیں دعوت دی تھی۔ خدا کرے تم جلد
 تباہ ہو جاؤ۔ اس پر خدا ناراض ہوا اور اپنے حبیب کی طرف سے جواب دیا
 کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہوں گے۔ اور وہ خود بھی تباہ ہوگا۔ اب انھیں
 پسند طبائع سے مجھے اُمید ہے کہ وہ خود قول و ماہیہ اور قول ابولہب کا باہمی
 موازنہ کریں گے۔ (قول و ماہیہ یہ ہے کہ نماز میں حضور علیہ السلام کا تصور
 فلاں بدترین جانور کے تصور سے بھی بُرا ہے۔ اور ابولہب کا قول یہ ہے کہ
 اے نبیؐ تو تباہ ہو جائے) اور بتائیں گے کہ کس کا قول زیادہ بُرا اور بدنام
 کرنے والا ہے، اور کس کا نہیں؟ ابولہب کو تو یہ سزا مل چکی کہ تَبَّالْک
 کہہ کر جہنمی ہو گیا۔ مگر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جنہوں نے ایسے گندے لفظ کہے
 ہیں۔ افسوس وہی بند ہو چکی ہے ورنہ ابھی فیصلہ ہو جاتا۔ اب ان کا منہ
 کون توڑ سکتا ہے؟

یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ نمازی کو تشہد میں یوں کہنا جائز
 نہیں کہ اے نبیؐ آپ پر سلام ہو اور آپ پر خدا کی رحمت اور برکت نازل ہو۔
 بلکہ یوں غائب سمجھ کر کہے کہ ہمارے نبیؐ پر سلام ہو۔ تاکہ حاضری اور خطاب کے
 لفظ سے بچ جائے۔ کیونکہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کی روح مبارک حاضر ہو
 جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب غائب کا لفظ اختیار کرنے سے آپ کی حاضری نہ
 ہوگی تو بتاؤ کہ جب نمازی السلام علی النبی کے کما اور غائبانہ لفظ سے آپ
 پر سلام و درود بھیجے گا تو آپ کا تصور پھر آئے گا، تعلیم و توفیر کی صورت

میں یا معاذ اللہ اہانت و تحقیر کی شکل میں۔ پس اگر وہ تصور عزت و توقیر کے ساتھ ہو گا تو وہ دہائیوں کا اصول ٹوٹ جئے گا کہ جو شروع مسئلہ میں مقرر کیا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام کا تصور مفیدِ صلوٰۃ ہے اور گدھے کے تصور سے نماز نہیں ٹوٹی اور اگر معاذ اللہ تحقیر کے ساتھ اسے تصور کریں تو اسلام کی بنیاد ہی کو اکھاڑیں گے۔ خدا تعالیٰ مناسب راستہ کی ہمیں ہدایت کرے۔

www.nafseislam.com

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

۱۹ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کیساتھ

تعلیمی لفظ "سیدنا" بڑھانا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام سے پہلے سیدنا کا لفظ بڑھانا جائز ہے یا نہیں؟ مخالفین کہتے ہیں کہ یہ زیادتی بدعت ہے۔ خیر القرون کے وقت نہ تھی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ زمانہ تبدیل سے محاورات بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تم خود بتاؤ کہ کیا مولانا اور شیخنا و حضرتنا وغیرہ کے لفظ خیر القرون میں مستعمل تھے؟ حالانکہ موجودہ وقت میں جس ذمی علم کو صرت نام سے پکارا جائے اور کوئی تعلیمی لفظ نہ بڑھایا جائے تو آنجناب ناک چڑھاتے ہیں اور اسے اپنی ہتک عزت جانتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر عزت و توقیر کے حقدار ہیں۔

کیا خدا تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے حق میں یوں نہیں فرمایا کہ آپ سید پاکدامن تھے اور نبی صالح تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں بنی آدم کا سید ہوں۔ اور سید کا لفظ مولیٰ کے معنی میں ہے بلکہ مولیٰ کا لفظ سید سے بھی اعلیٰ ہے۔ کیونکہ سید کا لفظ خدا پر استعمال نہیں ہوتا۔ اور مولیٰ کا لفظ خدا پر بھی استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ، يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (پارہ ۲۶۔ سورۃ محمد۔ رکوع ۱) "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے مالک اور مولیٰ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔" اور یہ بھی ارشاد ہے کہ، نِعْمَ الْمُؤْتَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ (پارہ ۹۔ سورۃ الانفال۔ رکوع ۵) "خدا تعالیٰ بہترین مالک اور بہترین مددگار ہیں۔"

۲۰. خدا تعالیٰ سے کسی مخلوق کو شریک کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے۔ کہ آیا فعلِ خداوندی میں غیر اللہ کو شریک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً کسی داتے کو یوں کہنا کہ یہ اللہ کی اور تمہاری مہربانی ہے۔ یا یوں کہنا کہ یہ چیز مجھے خدا اور خدا کے رسولؐ نے دی ہے تو جواب یوں ہے کہ ایسے محاورے میں مجازی طریق استعمال ہوتا ہے اور حقیقی بھی تو فقرہ مذکور صحیح معنی ہوا کہ اصل طور پر تو خدا نے دیا ہے۔ مگر بظاہر تم نے دیا ہے۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی سوال پوچھتے تھے اور صحابی جواب دینا گستاخی سمجھتے تھے تو یوں کہتے تھے کہ اس کا جواب خدا اور خدا کا رسولؐ بہتر جانتا ہے۔ اور اپنے اس جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے علم میں شریک کر دیتے تھے۔ اور اس جوابی فقرہ کو کسی نے برا نہیں منایا۔ دیکھئے ارشاد ہے کہ، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا سُبْحَانَ اللَّهِ فَقَدْ نُسِيَ بَاطِلُ الْأَعْيَانِ** (پارہ ۱۰ - سورۃ التوبہ - رکوع ۱) اور اللہ کے رسولؐ کی مشرکین سے بیزاری ہے، **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا سُبْحَانَ اللَّهِ فَقَدْ نُسِيَ بَاطِلُ الْأَعْيَانِ** (پارہ ۱۰ - سورۃ توبہ - رکوع ۸) اور ان کو یہ مناسبت تھا کہ خدا اور خدا کا رسولؐ کو راضی کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ، **وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا** (پارہ ۲۲ - سورۃ احزاب - رکوع ۹) اور جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے۔ وہ بڑی کامیابی پائے گا۔ یہ بھی ارشاد ہے کہ، **وَمَا تَقْضُوا إِلَّا أَنْ أَعْنَاهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ** (پارہ ۱۰ - سورۃ توبہ - رکوع ۱۰) مخالفین کی یہی برا منلتے ہیں کہ اللہ نے اور اللہ کے رسولؐ نے اہل مدینہ اور مہاجرین کو غنی کر دیا ہے۔ اس قسم کی آیات اور بھی بہت ہیں۔ مگر خلاصہ جواب یہ ہے کہ ایسے اشتراک لفظوں سے عوام کو پٹنا چاہیے۔ کیونکہ وہ حقیقت و مجاز میں امتیاز نہیں کرتے۔

۲۱. معاذ اللہ، خدا کا جھوٹ بولنا

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ معاذ اللہ کیا خدا جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ مخالف کہتے ہیں کہ عذابی وعدہ میں جھوٹ بول سکتا ہے۔ اور اس مسئلہ کا نام کبھنوں نے امکان کذب رکھا ہوا ہے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ ذاتِ خداوندی کی طرف جھوٹ کو منسوب کرنا ہی ناجائز ہے اور وعدہ کر کے سزا نہ دینا اسے وعدہ خلافی نہیں کہتے بلکہ وہ اصول اختیار کی تبدیلی ہے۔ اور اس خود اختیار کی تبدیلی کو کوئی جھوٹ نہیں کہتا۔ کیونکہ جھوٹ ایک لعنت ہے جس سے انسان بھی نفرت کرتے ہیں۔ تو بلا خدا تعالیٰ اس سے نفرت کیوں نہ کریں گے؟ پس قیامت کے دن عذاب کے بجائے مغفرت کا استعمال کرنا خدا کا رحم اور مہربانی ہوگی۔ اسے کذب نہیں کہا جائے گا۔ ارشاد ہے کہ، **يَلْ كُذِّبُوا بِمَا لَمْ يُعَيِّطُوا بِعَلَمِهِ**۔

(پارہ ۱۱ - سورۃ یونس - رکوع ۴) » کافر اس قرآن کی تکذیب کرتے ہیں

جسے وہ خود پورے طور پر نہیں سمجھ سکے۔ « پھر ارشاد ہے کہ، **وَيَقُولُونَ**

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (پارہ ۲ - سورۃ آل عمران -

رکوع ۸) » وہ جانتے ہیں اور جان بوجھ کر خدا پر افترا کرتے ہیں۔ « ان

آیات میں جھوٹ کی لعنت کو خدا تعالیٰ نے کفار کے حق میں ذکر فرمایا ہے کہ

یہ انکی عادت ہے۔ پس مسلمان کیسے گوارا کر سکتا ہے کہ اس لعنت کو اپنے

خدا سے نسبت دے۔

تجربہ شاہد ہے کہ جرائم پیشہ گرفتاروں کو عالم جس دام یا قتل کی

سزا دیتے ہیں۔ مگر کسی خاص مقرب کی سفارش سے یا اپنی خاص رحم دلی سے

یا رحم کی درخواست پر انکو معافی بھی دیدیتے ہیں۔ اور رہا کرتے ہیں۔ تو کیا اس صورت میں ان حکام کو وعدہ خلافت یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ اس معافی کا نام ذاتی اختیار کا استعمال ہے۔ اور احسان اور کمال مہربانی ہے۔ پس حاصل یہ ہے کہ جو شخص اس رحیمانہ سلوک خداوندی کو جو وہ اپنے مجرم بندوں کے حق میں استعمال کرے گا کذب کا عنوان دیتا ہے وہ خود خدا پر جھوٹ باندھتا ہے۔ تم خود ہی بتاؤ کہ اس شخص سے ہر صبر اور کون زیادہ ظالم ہو سکتا ہے۔ جو خدا پر جھوٹ باندھے یا اسکی آیات کی تکذیب کرے۔ اصل بات یہ ہے کہ ظالموں کی نجات نہ ہوگی۔ مخالف اعتراض کیا کرتے ہیں کہ کیا خدا ہر شے پر قادر نہیں تو جھوٹ پر کیوں قادر نہ ہوگا (جواب) بیشک صحیح ہے لیکن قدرت الہینا ممکن اور نامنا ایسے کی طرف متوجہ نہیں ہوا کرتی چنانچہ خدا اپنا شریک پیدا نہیں کرتا۔ اور اسی طرح کسے اور نا واجب کام نہیں کرتا۔ پس ایسے بکواسات سے انسان کا فرض ہے کہ اپنی زبان کو روک رکھے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

WWW.NAFSEISLAM.COM

۲۲ اولیٰ اللہ سے امداد طلب کرنا

ان مسائل میں سے استمداد کا مسئلہ بھی ہے جو صلحاء کی روحوں سے
کی جاتی ہے۔ مخالف کہتے ہیں کہ ناجائز ہے اور جو اللہ کے سوا کسی اور
سے استمداد کرتا ہے وہ خدا سے شرک کرتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس پر دو طریق
سے بحث ہے۔ اول صرف استمداد اور عدم استمداد پر، دوم استمداد سے نفع یا
عدم نفع پر۔

نفس استمداد یعنی کمی سے امداد طلب کرنا۔ تو وہ زندوں سے عام طور
پر حاصل کی جاتی ہے۔ اور کثیر الاستعمال اور مشہور ہے۔ چنانچہ مخالف بھی دنیاوی
امور میں (مثلاً تعمیر مدارس، تبلیغ مذہب و بابیہ، اور اجرائے اخبارات)
میں لٹکے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ تو اگر صرف استمداد ہر طرح سے شرک ہے۔
تو مخالف خود شرک کر رہے ہیں۔ اور نفس استمداد میں ہمارے اور ان کے درمیان
کوئی فرق نہیں۔ مگر یہ فرق ضروری ہے کہ وہ فانی جسموں سے استمداد کرتے ہیں۔
اور ہم پاک اور غیر فانی ارواح سے استمداد کرتے ہیں۔

اب یہ استمداد سے نفع، تو اللہ تعالیٰ کا ارادہ اگر چاہے تو ہم کو
ارواح طیبہ نفع دیتے ہیں۔ اور انکو فانی جسم نفع دیتے ہیں۔ اگر وہ نہ چاہے تو نہ ہم
کو ان سے نفع ہوتا ہے نہ ان کو۔ اب اگر وہ یوں کہیں کہ ہم تو زندوں کے بدن سے
استمداد کرتے ہیں اور تم مردوں کی روحوں سے استمداد کرتے ہو۔ تو ہم کہتے ہیں
کہ دراصل تم بھی ارواح سے ہی استمداد کرتے ہو۔ کیونکہ درحقیقت دینے والا
روکنے والا روح ہی ہے۔ خواہ وہ جسم سے خارج ہو یا اس میں داخل ہو۔

۲۲۔ بچوں کے نام انبیاء و اولیاء سے منسوب کرنا

ان مسائل میں سے یہ مسئلہ بھی ہے کہ کچھ لوگ اپنے بچوں کے نام انبیاء علیہم السلام یا صلحاء ائمہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ مگر مخالف اس شخص پر شرک کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ جو اپنے بچوں کا نام نبی بخش، رسول بخش یا غلام محمد یا غلام صدیق یا اسی قسم کا اور نام رکھے۔ کیونکہ اولاد دینے والا خدا ہی ہے۔ اور یہ جائز نہ ہو گا کہ اپنے بچے کا نام غیر اللہ کی طرف منسوب ہو اور غلام عبد کے معنی میں ہے۔ اور ہم سب عباد اللہ ہیں۔ اور عبدیت کی نہت غیر اللہ کی طرف جائز نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ مان لیا کہ معطی اور مانع در حقیقت خدا ہی ہے مگر تاہم عطیہ کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا مجازی طور پر جائز ہوتا ہے۔ کیوں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آکر یوں کہا تھا کہ تم کو پارسا لڑکا بخشے آیا ہوں۔ اور یوں نہیں کہا تھا کہ اسے آیا ہوں کہ خدا تم کو لڑکا بخشے گا۔ جو پارسا ہو گا۔ تو جب جبرائیل علیہ السلام لڑکا دے سکتے ہیں تو کیوں حضور علیہ السلام کی طرف یہ عطیہ منسوب کرنا مجازی طور پر جائز نہ ہو گا اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قول جبرائیلؑ تو امر الہی تھا اور تم کو کس نے حکم دیا ہے۔ تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک قول جبرائیلؑ امر الہی تھا۔ مگر اس نے ہمارے واسطے جواز کا دروازہ کھول دیا ہے۔

اب رہا لفظ غلام تو اگرچہ وہ فارسی محاورہ میں عبد کے معنی میں ہے۔ تاہم اپنے بچوں کو صلحاء کے غلاموں کے ساتھ تشبیہ دینے میں کیا قیامت ہوگی۔ اور صلحا سے مراد نبی ہیں۔ اور صحابہؓ اور ائمہؒ محمدیہؑ کے نیک بندے۔

کیا ان کے پاس خود اپنے غلام نہ ہوتے تھے یا انکو اپنی ذات سے منسوب نہ کرتے تھے؟۔ اور یوں نہ کہتے تھے کہ اے میرے بندے اور اے میری لونڈی کیا خدا نے ان کو ان سے منسوب نہیں کیا کہ، **وَلَقَدْ جَاءُوكُم بِالْحَقِّ** **وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ** (پارہ ۱۸۔ سورۃ

النور۔ رکوع ۴) ”تم اپنے بندوں اور اپنی بندگیوں کے نکاح کرا دیا کرو۔“ پس حقیقت میں تمام غلام اور تمام آزاد لوگ خدا کے بندے ہیں اور غلام اپنے آقاؤں کے مجازی طور پر بندے ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کتاب کے آغاز میں قرآن مجید میں کثرت کیساتھ حقیقت و مجاز کا استعمال ذکر کر دیا ہوگا ہے۔ علیٰ مذاق القیاس لوگوں کے بچے حقیقت میں اللہ کے بندے ہیں اور صلوات اُمت کے مجازی طور پر بندے ہیں یہ ہماری تحریر کا آخری مقام ہے۔ جبکہ ہم نے ارادہ کیا تھا۔

یا اللہ میں نے اس تحریر سے اور کوئی ارادہ نہیں کیا سوائے اُنکے کہ مسلمانوں کے عقائد کجروی اور گمراہی سے درست ہوں۔ پس اگر یہ تحریر تیری طرف سے ہے تو میں تیرا احسان اور فضل ماننا ہوں۔ تو اس سے اپنے مومن بندوں کو نفع دے اور اگر یہ تحریر غلط ہے تو یہ غلطی میرے نفس سے سرزد ہوئی ہے۔ اس لیے میں تجھ سے معافی اور مغفرت طلب کرتا ہوں یا اللہ میں حق بات کو حق کر کے دکھلا اور حق کی اتباع ہماری قسمت میں کرا اور باطل کو ہمیں بھی باطل کر دکھلا اور ہمیں اس سے پرہیز بخش۔ وَصَلَّى اللہُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَاصْحَابِهِ وَاتِّبَاعِهِ وَصَالِحِي أُمَّتِهِ أَجْمَعِينَ۔ آمین یا رب العلمین۔

تحریر سالہ ہذا بروز دوشنبہ ۱۴۲۰ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ ہجری ختم ہوئی۔

دُعَا تَنْجِينَا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلَواتُكَ
تَنْجِينَا بِهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَهْوَالِ وَالْأَفَاتِ
وَتَقْضِي لَنَا بِهَا جَمِيعَ الْحَاجَّاتِ وَتُطَهِّرُنَا
بِهَا مِنْ جَمِيعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ
أَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَا أَقْصَى الْغَايَاتِ
مِنْ جَمِيعِ الْخَيْرَاتِ فِي الْحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ
إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

